بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صارم خان نے یہ ناول (شامِ اندھیر کو جو چراغاں کرے) صرف اور صرف نیوایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھا ہے۔اس ناول(شامِ اندھیر کو جو چراغاں کرے)کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام صرف اور صرف نیوایرا میگزین(New Era Magazine)کے نام محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لہذا کسی بھی ادارے،ڈائجسٹ،سوشل میڈیا،ویب سائٹ یا کوئی بھی فرد بمعہ مصنف کو اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں شائع کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جائے گی۔

شکریہ

ادارہ:نیوایرا میگزین

WEB SPECAIL NOVEL

****

بِسمِ اللہ الرّحمنِ الرَّحیم

شامِ اندھیر کو جو چراغاں کرے

قسط:4

"عبدالعزیز لطفی زافر"

"کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور انکو جانچ نہ لیں گے؟"

(سورۃ عنکبوت، آیت نمبر:1)

☆☆☆

بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر 'بودریا: شیطان البحر' پڑی تھی اور نور اس کے آگے ٹھٹکی ہوئی کھڑی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ سا تھا جو ابھی اس نے بودریا کے نیچے پڑا پایا تھا۔اس پر کچھ لکھا تھا، بلکل اسی لکھائی میں، جو اس خط پر ہوئی تھی جو اسے اس 70 سالہ بڑھیا نے

تھمایا تھا۔اس نے پڑھا، جو اس پر لکھا تھا۔وہ نہ کچھ محسوس کر رہی تھی، نہ اسے کچھ سنائی دے رہا تھا۔

وہ حیران سی وہیں کھڑی تھی۔اس کاغظ پر کسی جگہ کا نام اور وقت لکھا تھا۔یعنی جس نے بھی یہ کاغظ اس کتاب کے نیچے رکھا تھا، وہ جانتا تھا کہ یہ کتاب نور پڑھ رہی ہے اور وہ اب اسے کہیں بلا کر ملنا چاہتا ہے۔

وہ کافی دیر تک وہیں کھڑی رہی۔ساکت سی۔پھر چہرہ موڑ کر بیلکونی کے پار دیکھا۔اب بھی درختوں میں جنبش ہو رہی تھی ہوا کی وجہ سے۔پھر کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے وہ کاغظ واپس رکھا کتاب کے نیچے، اور قدم قدم چلتی بیلکونی تک آئی۔آگے پڑی کرسی نہ ہٹائی، بس جھک کر نیچے دیکھا۔وہاں اب بھی کوئی نہ تھا۔

پھر کانپتی ہوئی بیڈ تک آئی اور بیٹھ گئی۔ساتھ ہی سر پکڑ لیا۔اس کے ساتھ دن بدن ایسا کچھ نہ کچھ ہو رہا تھا جو اسکے دل میں کھٹک رہا تھا۔وہ اب اپنے بالوں میں ہاتھ مار کر ایک ایک لٹ نیچے گرا رہی تھی۔وہ واقعی ہی ٹینس تھی۔اسے اب اس سب کا حل چاہیے تھا۔یہ سب اب بہت زیادہ ہو رہا تھا، اور اب اسے خطرے کی گھنٹیاں سنائی دینے لگی تھیں۔

☆☆☆

اسلام آباد میں پہاڑوں کے پیچھے سورج چھپنے کی تیاری کر رہا تھا۔آسمان پر دور دور نیلیائی سی نظر آتی تھی مگر اپنے اوپر دیکھو تو کاسنی رنگ سا لگتا تھا۔اب بس ایک پرندوں کی چہچہاہٹ سنائی دیتی تھی۔ہر سو ایک عجیب سا سکون بھر چکا تھا۔خاموشی،ویرانی مگر سکون۔

نور اپنے کمرے سے تیار سی ہو کر نکلی۔یقیناً کہیں باہر جانے کی تیاری تھی۔نیچے اتری تو دادی جان کے کمرے کا رخ کیا۔

"کہاں کی تیاری ہے؟"دادی جان اسکا حلیہ دیکھ کر پوچھ پڑیں۔

"دادی جان!بس زرا عائزہ کے گھر کا چکّر لگاتی ہوں۔اس کی زرا طبعیت خراب ہے کچھ دنوں سے تو بس سوچا دیکھ لوں۔"اس نے بہانہ بنایا۔

"ہاں ہاں بیٹا!ضرور جاؤ۔میری طرف سے بھی زرا پوچھ لینا۔"

"شیور،دادی جان!"کہہ کر وہ مسکرا کر مڑ گئی۔

مگر اندر سے وہ شدید ٹینس تھی۔کیا اسے وہاں جانا چاہیے؟کیا اسے اس شخص سے ملنا چاہیے؟کیا اس طرح مسلئہ حل ہو جائگا؟

کاغظ پر جو ایڈریس اور وقت لکھا تھا،وہ وہاں اسی وقت پہنچ گئی۔مگر افسوس کے ساتھ وہ وہاں پہنچ کر ٹھٹک کر رہ گئی۔وہاں چند ایک لوگوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔

وہ ایک گمنام سی پہاڑی پر واقع ایک چھوٹا سا پرائیویٹ ہوٹل لگ رہا تھا۔ مگر وہاں کوئی کمرہ یا ریسیپشن نہیں نظر آیا تھا اسے۔ شاید کسی کا گھر ہو؟ مگر وہاں کوئی دروازہ بھی نہیں تھا۔ اوپن سی جگہ تھی۔ ڈرائور کو اس نے کچھ دور ہی کھڑا کیا تھا۔

وہاں دو کپلز تھے۔ ایک بوڑھا آدمی جو آرام سے پہاڑی کے نیچے کا منظر دیکھ رہا تھا اور ایک لڑکی جو جگہ تبدیل کر کر کے منظر کو تصوروں میں محفوظ کر رہی تھی۔ نور بھی وہیں کھڑے ہو کر منظر دیکھنے لگی۔

کچھ دیر تک سب آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ چونکہ وہ کوئی پبلک پلیس نہیں تھی، تو لوگ وہاں زیادہ نہیں ٹھہرتے۔ دونوں کپلز اب جا چکے تھے۔ لڑکی، بوڑھا اور نور لعرش اب بھی وہیں تھے۔ پھر کچھ دیر میں وہ لڑکی بھی چلی گئی۔

نور نے اکتا کر ادھر ادھر دیکھا، شاید کاغظ بھیجنے والے کو یقین نہیں تھا کہ نوریوں آ جائیگی، سو وہ بھی نہیں آیا تھا۔

"بُل شٹ! سارا وقت برباد کر دیا۔" کہہ کر وہ بھی اب واپس جانے لگی، کہ۔۔

"رکو!" آواز پر وہ زرا چونکی۔

☆☆☆

کتاب کا شروع کا کچھ حصّہ بعد میں 'عبدالسلام لطفی زافر' کے پر پوتے 'عبدالعزیز لطفی زافر' نے بھی لکھا، جب وہ کتاب ان کے پاس آئی تھی۔اس حصّے میں انہوں نے کتاب کو نام دیا اور اس میں خاص لوگوں کے ٹھکانے اور ان کے اوپر چند سطر لکھے۔یعنی 'العالم تحت العرض' والا حصّہ عبدالعزیز نے لکھا تھا۔

قطر میں ایک داستان مشہور ہو گئی، 'بودریا' کے نام سے۔مانا جاتا تھا کہ سمندر میں ایک شیطان چھپا بیٹھا ہے، اور جب بھی تاجر سمندر کے راستے سے آیا جایا کرتے تھے، بودریا یعنی سمندر کا شیطان انہیں لوٹ کر ان کا سارا مال وغیرہ حرپ جاتا تھا۔اس ڈر سے سمندر کے اُس راستے سے آنا جانا بند کر دیا گیا اور 'بودریا' کی کہانی مشہور ہو گئی۔بعد میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ سمندر میں کوئی شیطان ڈاکو نہیں ہے، بلکہ یہ تو بس ایک کہاوت یا داستان ہے جو قطر کے باشندوں میں مشہور ہو گئی ہے۔

یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ دراصل وہ کوئی سمندری شیطان یا ڈاکو نہیں تھا بلکہ وہ تو سب ان 'خاص لوگوں' کا مجمع تھا جو لوگوں کو اپنا ٹھکانہ پکڑوانے کے ڈر سے اور اپنے ٹھکانے سے دور رکھنے کی خاطر ان کو ڈرا کر اس راستے سے بھگا دیا کرتے تھے۔اس وقت عبدالعزیز لطفی زافر، عبدالرزاق حیدر عثمانی اور تین چار اور خاص لوگ ہوتے تھے۔

عبدلالعزیز لطفی زافر، عبدلالرزاق حید عثمانی کے استاد تھے۔انہوں نے ہی اسے اپنی طاقت پر قابو کرنا سکھایا تھا۔ہر طاقت والے کی طرح، عبدلالرزاق کو بھی اپنی طاقت

پر کوئی اختیار نہیں تھا۔اس کی طاقت بھی اسکے لئے ایک کمزوری ہی تھی۔ مگر آہستہ آہستہ عبدلالعزیز نے اسے سب سکھادیا۔

جب عبدالرزاق حیدر عثمانی کو تین آنی جنگوں کا پتا چلا،اس کی آنکھیں اسی وقت سے چمکنے لگیں۔***'بودریا:الشیطان البحر'*** میں یہ بات بھی لکھی گئی تھی، کہ تینوں آنی جنگوں میں سے جو جنگ جیتی گئی،اس جنگ کے سردار کو اگلی دو صدیوں تک طاقت کا سردار بنایا جائگااور آبِ حیات بطور تحفہ دیا جائگا، جس سے وہ دو صدیوں تک جی سکے۔یہی بات تھی کہ وہ پہلی آنی جنگ کا سردار بننا چاہتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس نے دنیا بھر سے طاقت والے لوگوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا،اور وہیں سے کہانی شروع ہوئی۔

عبدلالعزیز کو جب اسکے ارادوں کا علم ہوا،تو انہوں نے اس سے جھگڑا کیا۔اور اسے وہیں،اسکے حال پر چھوڑ کر چلے گئے۔اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ اس سے اسکی طاقت چھین لیتے مگر وہ انکے خدا نہیں تھے۔انکے پاس زمہ داری تھی،خدائی نہیں۔عبدلمحیط بھی ان کے ساتھ ہی گیا۔ مگر عبدالرزاق کو ان کے جانے سے کوئی فرق نہ پڑا۔اسکے پاس نتاشہ تھی،اور کچھ سالوں تک عبدالعزیز کی جگہ نور ابنتِ عزیزہ نے پُر کرلی تھی۔

☆☆☆

"رکو!"نور چلتی رہی۔اسے لگا آواز کسی اور کو دی گئی ہے مگر۔۔

"رک جاؤ، نورالعرش بنتِ جمال!" اپنا نام سننے پر وہ ٹھٹکی اور مڑی۔ آنکھوں میں بے پناہ تحیر سا تھا۔

پیچھے وہی بوڑھا ضعیف سا آدمی کھڑا تھا۔ ہاتھ میں اس آدمی کی طرح ایک سٹک سی پکڑے، وہ تقریباً اسی آدمی کی طرح تھا جس کو اس نے مرِ رورلڈ میں دیکھا تھا۔ مگر یہ عمر میں اس سے کہیں بڑا تھا۔ مسکرا رہا تھا۔ مگر اس کی مسکراہٹ چبھتی نہیں تھی۔

"شکر! تم آ ہی گئیں پیاری لڑکی۔" آہستہ آہستہ بولتے ہوئے آگے آنے لگا۔

"آ۔۔آپ کون ہیں؟" نور زرا ڈری ہوئی لگی تھی۔ وہ مسکرایا۔

"لڑکی، تمہارے لئے ابھی یہ جاننا ضروری نہیں کہ میں کون ہوں اور کون نہیں۔ بلکہ۔۔" پھر عین نور کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "بلکہ ضروری یہ ہے کہ تم جان لو کہ تم ایک بہت بڑی مصیبت میں ہو اس وقت!"

"مجھے یہاں کیوں بلایا ہے آپ نے؟" وہ تلخی سے بولی۔

"تمہاری مدد کرنے!" وہ آرام سے بولے۔

"کیا تم جاننا نہیں چاہتی کہ آج کل تمہاری زندگی میں سب کیا ہو رہا ہے اور کیوں؟" نور کو زرا جھٹکا سا لگا پھر سنبھل کر بولی۔

"آپ کیسے جانتے ہیں۔۔ وہ سب جو بھی میرے ساتھ ہو رہا ہے؟" وہ مسکرائے۔

"نورالعرش بنتِ جمال! میں اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں تمہارے بارے میں!" نور کو لگا، وہ آدمی بس باتیں بنا رہا ہے۔

"جیسے؟"

"کیا تم حبیب ابنِ سکندر سے محبت نہیں کرتی؟" پھر مسکراہٹ زرا گہری ہوئی۔ اور نورالعرش کے لئے یہ زندگی کا سب سے بڑا جھٹکا تھا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ؟" زبان پر پھر تلخی در آئی۔

"بس اتنا کہ تم جان لو کہ تمہاری کی جانے والی کسی بھی غلطی کی نسلیں سزائیں کاٹیں گی۔ سو، بچ کے رہو!" محتاط سے انداز میں بولے۔

"یہ سب کون کر رہا ہے میرے ساتھ؟" تلخی اب بھی ویسی ہی تھی۔

"اس سب کے پیچھے ہاتھ ہے۔۔ **'عبدالرزاق حیدر عثمانی'** کا!" زراد با کر نام لیا۔

"آپکو کیسے پتا؟" لہجہ ہلکہ نرم ہوا۔

"نورالعرش بنتِ جمال! اسکو یہ سب میں نے ہی سکھایا ہے۔ آج جو اس نے جگہ بنا رکھی ہے، اور اسکی فوج، وہ سب صرف اس لئے ہے، کیونکہ اس کے پاس وہ علم ہے جو میں نے اسے دیا ہے۔"

"کہاں رہتا ہے وہ؟" تلخی اب معمولی تھی۔ اس کا دھیان اس کی باتوں پر تھا اب۔

"کیوں، کیا تم نے "***بودریا: شیطان البحر***" نہیں پڑھی، پیاری بچی؟" نور کو ایک اور جھٹکا لگا۔

"آپ۔۔(وہ پیچھے کو ہوئی، ڈر کے) آپ جھوٹے ہیں۔ آپ کو کچھ نہیں پتہ۔ آپ بس ایک جادوگر ہیں اور۔۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ وہ ڈر گئی تھی اس بوڑھے سے، جو کہ دیکھنے میں 80 سال کا لگتا تھا مگر آواز میں نہ کوئی لڑکھڑاہٹ، نہ چال میں کوئی بڑھاپے کا عنصر۔

"بیشک، میں ایک جادوگر ہوں۔ اور عمر بھر سے ہر جادو پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔"

"میں آپ پر یقین نہیں کرتی۔ آپ مجھے اپنی باتوں۔۔" وہ اب قدم قدم پیچھے کو رہی تھی۔

"میرا کام تمہے بس بتانا تھا۔ بس اتنا یاد رکھو، کوئی بھی غلطی زندگیاں برباد کر سکتی ہے۔" اس نے اپنی لاٹھی زرا اس کی طرف اٹھا کر تنبیہ کی۔ وہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔

"آپ جھوٹے ہیں۔ مجھے یقین نہیں ہے آپ پر!" کہہ کر وہ مڑ گئی۔ اور دوڑی۔ بس اندھا دھن!

بوڑھا آدمی پیچھے کھڑا، بس مسکرا کر نفی میں سر ہلاتا رہا۔

☆☆☆

اگر نور کے پیچھے سے دیکھا جائے تو تھوڑی دور ایک دیوار سی بنی تھی۔ دیوار کے سرے پر ایک موڑ سا تھا، جس کے پیچھے کوئی کھڑا تھا۔ زرا تیزی سے قریب جاؤ تو جانو کہ وہ صرف وہاں کھڑا نہیں ہے، بلکہ وہاں کھڑے نور اور عبدالعزیز طفی زافر کی باتیں سن رہا ہے۔ اس نے سیاہ ٹی شرٹ کے نیچے سیاہ پینٹ پہن رکھی ہے اور سر پر پی کیپ پہنی ہے۔

اسکے ماتھے پر شکنیں سی ابھری ہوئی تھیں، گو وہ ان کی باتوں پر بے حد حیران تھا۔ اسے نور اور عبدالعزیز کی باتیں زیادہ تو سمجھ نہیں آرہی تھیں مگر وہ زرا تعجب سے سنے جارہا تھا۔ نور سے ٹکراتے وقت، اسنے اس کے پرس پر جھوٹا سا ریکارڈر لگا دیا تھا، جس میں ریکارڈ ہونے والی آواز اسے اپنے ہاتھ میں پکڑے چھوٹے سے سپیکر سے آرہی تھی۔

(اس سب کے پیچھے ہاتھ ہے۔۔ **'عبدالرزاق حیدر عثمانی'** کا!) "اب یہ کون ہے؟" اس نے دل میں سوچا۔

پھر کچھ دیر وہ انکی باتیں سنتا رہا اور پھر 'بودریا' کے زکر پر منہ سا بنایا۔ آخر یہ دونوں کس دنیا کی باتیں کر رہے ہیں۔ ایسی کسی کتاب کا نام اس نے کبھی نہیں سنا۔ پھر اس نے نور کو قدم قدم پیچھے ہوتے دیکھا، یعنی وہ واپس آرہی تھی تو تیزی سے وہاں سے دور بھاگا۔

تھوڑا آگے اسکی سفید گاڑی کھڑی تھی، وہ وہاں آیا اور جلدی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اسنے جیب سے موبائل نکالا اور کسی کو کال ملا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو!"

"ہاں تمہارا کام تقریباً ہو گیا ہے۔۔"

"نہیں تم بلکل فکر مت کرو۔ میں کچھ دنوں سے اسکا پیچھا کر رہا ہوں۔۔"

"ہاں ہاں، مجھے ہر چیز کا پتا ہے، وہ کہاں کہاں، کس کس وقت جاتی۔۔"

"ہاں مکمل ڈیٹیلز سینڈ کر دوں گا۔۔"

"تم مجھے بس یہ بتاؤ اب کہ اسکو کڈنیپ کب کرنا ہے؟"

"اگر میرا کام بس اتنا ہی تھا تو سمجھو ختم ہو گیا۔۔"

"میرے پیسے کل تک میرے اکاؤنٹ میں ہونے چاہیے اور ہم ایک دوسرے کو اب نہیں جانتے۔ بائے!"

موبائل کان سے ہٹا کر کال بند کی تو نام واضع ہوا۔

وہ ارتضیٰ کا نمبر تھا۔

☆☆☆

اسلام آباد پر بھی شام ڈھل چکی تھی۔ روز کی طرح مگر تھوڑی زیادہ خوبصورت۔ اندھیر سی۔ ناراض سی۔ اداس سی۔ ہر طرف خاموشی اور غم کا سما

تھا۔اونچے درخت باغیچے میں کچھ ناراضگی سے ہل جل رہے تھے۔رات آگئی۔ویران سی۔سب کھانہ کھاکر اپنے اپنے کمروں میں جاچکے تھے۔نورالعرش بھی اب اپنے کمرے میں سونے کے لئے لیٹ چکی تھی۔

وہ عبدالعزیز لطفی زافر سے ملاقات کے بعد کافی ٹینس ہوگئی تھی۔اسے اندازہ ہوا کہ اسے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔کم از کم اس وقت وہ پریشان تو نہیں تھی۔کیا وہ واقعی ہی کوئی جادو گر تھے یا بس اسکے ساتھ کوئی کھیل کھیلا جارہا تھا۔اسکے دل کو بلکل بھی سکون نہیں آرہا تھا۔اسے ان کی باتیں یاد آرہی تھیں،سونے کے لئے لیٹی تھی اور انکی باتیں اسکی سماعت میں گونج رہی تھیں۔

"لڑکی،تمہارے لئے ابھی یہ جاننا ضروری نہیں کہ میں کون ہوں اور کون نہیں۔بلکہ ضروری اس وقت ضروری یہ ہے کہ تم جان لو کہ تم ایک بہت بڑی مصیبت میں ہو اس وقت!"

"تمہاری کی جانے والی کسی بھی غلطی کی نسلیں سزائیں کاٹیں گی۔سو،بچ کے رہو!"

"کیوں،کیا تم نے "***ابودریا:شیطان البحر***" نہیں پڑھی،پیاری بچی؟"

"اس سب کے پیچھے ہاتھ ہے۔۔**'عبدالرزاق حیدر عثمانی'** کا!"

اس نے نام زبان پر دہرایا۔

پھر اسنے ذہن سے یہ ساری باتیں جھٹکیں، یہ سوچ کر کہ ہو سکتا ہے وہ مجھے مِس ٹیک کر رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے کوئی دوسری نور سمجھ رہے ہوں۔ شاید یہ بھی ہو سکتا ہے کہ۔۔۔

اب وہ سونے سے پہلے بودریا نہیں پڑھ رہی تھی۔ وہ کتاب بس اس کا وقت اور نیند برباد کر رہی تھی۔ اور اسنے فیصلہ کیا تھا کہ اب سے کبھی نہیں پڑھے گی۔ بیلکونی کے آگے کرسی اب بھی ویسی ہی پڑی تھی۔ اس نے دادی جان کو ابھی بولا نہیں تھا ورنہ وہ کنڈی لگوا دیتیں۔

کچھ ہی دیر میں وہ نیند کی گرفت میں پہنچ چکی تھی۔ تھکاوٹ، بھرے پیٹ اور پیپر زمیں نیند بھی بہت اچھی آتی ہے۔

کچھ دیر بعد کمرے کے دروازے کے باہر نکلو تو دیکھو کوئی چل کر نور کے کمرے کے قریب آ رہا ہے۔ آہستہ سا دروازہ کھلا اور پھر وہ اندر آیا۔ دروازہ بند کر کے بتّی روشن کی۔ پھر قدم قدم چلتے نور کے بیڈ تک آیا۔

"نور!" سرگوشی نہیں کی، بس ہلکی آواز میں پکارا۔

نور چونکہ کچّی نیند میں تھی تو جلدی سے آنکھیں کھلیں اور بتی کی روشنی کے باعث آنکھیں زرا سی چندھیائیں۔

"حبیب؟تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"زرا سختی سے بولی۔دوسروں کی نیند خراب کرنے پر صرف اور صرف نورالعرش کا حق تھا،لو بھلا!

"تمھے نیند کیسے آرہی ہے،یہ جانتے ہوئے کہ،تمہاری بہن کی شادی ہونے والی ہے؟"نور نے اس کا حلیہ دیکھا،وہ جیکٹ پہنے باہر کی تیاری میں کھڑا تھا۔"خیر!چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔"

"کیوں،صبح فجر کی نماز نہیں پڑھنی تم نے؟"وہ اسے طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیوں،ہم لندن جارہے ہیں کیا؟"اس نے جواباً سوال کیا۔نور کو اسکا طنز اچھا لگا۔ وہ یقیناً تھکی ہوئی تھی مگر چاہ کر بھی جانے کیوں انکار نہ کر پائی۔

"اوکے،میں آتی ہوں!"کہہ کر وہ اٹھ گئی اور کچھ دیر بعد کپڑے تبدیل کر کے کمرے سے باہر نکلی۔حبیب اس کا باہر انتظار کر رہا تھا۔

دونوں آہستہ آہستہ زینے پھلانگتے نیچے اترے پھر پچھلے دروازے کی طرف بڑھے۔نور چابی اپنے ساتھ لائی تھی۔حبیب جانتا تھا،اسنے چابی ابھی تک واپس نہیں کی ہو گی۔

نور نے اپنی جیکٹ کی جیب سے چابی نکالی اور پھر دونوں باہر نکل گئے۔راہداری عبور کر کے دونوں روڈ پر آ گئے۔

"تو اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"نور نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں بھی نہیں!"پھر زرا ٹھہرا۔"بس ویسے ہی واک کا دل چاہ رہا تھا۔"

تھوڑی دیر دونوں میں خاموشی ہی رہی اور چلتے رہے۔پھر نور جھنجلا کر بولی۔

"حبیب کچھ تو بولو!تم نے مجھے اتنی رات کو بس اس لئے اٹھایا ہے کہ ہم اتنی ٹھنڈ میں یوں خاموشی سے واک کریں؟"منہ سے دھواں نکالتے ہوئے بولی۔

"نور!کچھ دن بعد ہم۔۔سب چلے جائیں گے"زرار کا۔"میں، ممی، پاپا، عثمان اور تمہاری بہن، ہم سب!"اسکے دماغ میں بس یہی بات آئی۔یا شاید وہ اس وقت یہی سوچ رہا تھا تو بس بول پڑا۔

تم قطر نہیں جانا چاہتے؟"بھنویں بھینچ کر پوچھا۔

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔میں جانا چاہتا ہوں۔مگر۔۔"نور کو دیکھا۔"مگر یہ دن، یہ شامیں، یہ لوگ، یہ جگہیں اور یہ امر راتیں بہت یاد آئیں گی۔"

"مجھے بھی!"وہ مسکرائی۔

"حبیب!"اس بار پھر نور ہی بولی۔حبیب نے بس"ہوں؟"کیا۔

"میں نے۔۔میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔"

"کیا جھوٹ؟"

"کہ میں روز قرآن پڑھتی ہوں۔اور نماز بھی۔"

"میں جانتا ہوں! لیکن کوئی بات نہیں۔کم از کم تمہے اتنا اندازہ تو ہوا کہ تم نے جھوٹ بولا تھا۔" پھر اسے دیکھ کر پیارا سا مسکرایا۔"اگر تمہے احساس ہو گیا ہے تو ایک دن آئگا کہ تم سچ میں پڑھنا بھی شروع کر دو گی۔"

وہ بھی پیارا سا مسکرائی۔وہ جانتی تھی، حبیب اسکی اس بات کو بھی ایک نئے پوزیٹو وے میں لے گا اور اس نے ایسا ہی کیا۔بجائے اسے جھوٹ بولنے پر فلسفے سنانے کے، اسے ایک نیا رُخ دکھایا۔

خاموشی ایک دفعہ پھر درمیان میں آگئی۔

"نور!" اس دفعہ حبیب بولا۔نور نے "ہوں؟" کیا۔

"ایک دن آئگا، تم یہ راتیں بہت یاد کرو گی!" زرا کو رکا۔وہ مسکرا کر سن رہی تھی۔وہ جانتی تھی۔"تم، ہم سب کو بہت یاد کرو گی، پھر نورالعرش!"

وہ ہلکا سا مسکرایا تھا، یا شاید نور کو ایسا محسوس ہوا تھا۔ پھر کچھ دیر خاموشی ہی رہی۔ نور دل ہی دل میں کچھ سوچ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے واضع تھا۔ پھر یک دم بول پڑی۔

"حبیب میں سوچتی ہوں کہ جب تم اور مریم چلے جاؤ گے تو میں کتنی اکیلی پڑ جاؤ نگی؟" وہ خفا خفا سا بولی۔

"نور! کوئی بھی اکیلا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالی تو اپنے ہر بندے کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو بھلا اکیلے کیسے چھوڑ سکتا ہے؟" حبیب سمجھانے کے انداز میں اسے بتا رہا تھا۔

آج اس نے یہ گلہ بھی نہیں کیا، کہ وہ ہر وقت اسلامِک ٹائپ باتیں کیوں کرتا ہے۔ اور حبیب نے یہ محسوس کیا تھا۔

وہ دونوں اب خاموشی سے اس سٹور کے سامنے سے گزر رہے تھے جس میں کچھ دن پہلے وہ گئے تھے۔ مگر آج وہ دونوں اندر نہیں گھسے، بس آگے چلے گئے۔ کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے پھر واپس گھر کی جانب مڑ گئے۔

چلتے چلتے نور رکی اور پکاری۔ "حبیب!"

حبیب رکا اور مڑ کر پیچھے دیکھا جہاں وہ رکی کھڑی تھی۔ "کیا ہوا؟ رک کیوں گئی؟"

"حبیب۔۔مجھے لگ۔۔آآآآآآآآ!!" وہ چلائی۔اتنی تیز آواز میں، جتنی تیز وہ چلاّسکتی تھی۔حبیب بھاگ کر اس تک آیا۔

"کیاہوا؟نور۔۔" وہ چلارہی تھی۔پھر نور نے اپنے جوتے کی طرف اشارہ کیا۔

حبیب کچھ گڑبڑایاسااسکے جوتے کی طرف جھکا۔وہ سلیپرز پہن کر یوں روڈ پر آئی تھی۔(واؤ، چچ چچ!) حبیب نے اس کے سلیپرز دیکھ کر دل میں آہ بھری۔کوئی اتنا عقلمند کیسے ہو سکتاہے کہ رات کے وقت روڈ پر واک کرنے سلیپرز پہن کر آئے۔

نور کی تیز چیخ نے اسے خیالوں سے باہر کھینچا۔اس نے جلدی جلدی اس کا پیر سلیپرز سے باہر نکالا۔نور اب بھی ڈر کر چلارہی تھی۔داہنے سلیپر کے اندر سے ایک چھوٹاسا لالبیگ (کاکروچ) نکلا۔حبیب نے اسے جانے دیااور نور کا سلیپر جھاڑ کر دوبارہ اسکے پیر کے قریب کیا۔

نور نے اب چلانا بند کر دیا تھا۔اس کے نرم دودھیا گالوں پر موٹے موٹے چند آنسو پڑے تھے۔حبیب زرا اٹھااور جیب میں ہاتھ مار کر جیب سے ایک ٹشو نکالا۔نور نے ٹشو تھاماااور اپنے آنسو پونچھے۔

آنسو پہنچ کر نور نے جب چہرے سے ٹشو ہٹا کر پھینکا تو حبیب کا چہرہ دیکھا، جو ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہاتھا۔وہ اسے یوں دیکھ رہاتھا گو بس ابھی ہنس پڑے گا۔

"اف!! کتنا خطرناک تھا۔"نور نے کہا۔اور حبیب سکندر کے منہ سے ہنسی چھوٹ پڑی۔

وہ تیز تیز ہنسنے لگا، مگر ویسے نہیں جیسے نور ہنستی ہے، زرا ہلکا۔وہ ہنسے جارہا تھااور نور اسے ہنستے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے حبیب؟"اس نے اسے ہنستے ہوئے دیکھ کر زرا خفا سا پوچھا۔

"نن۔نور!تم۔۔تم اب بھی (ہاہاہا) بچوں کی طرح اس کاکروچ سے ڈرتی ہو۔"حبیب ہنسی سے پاگل اسے رک رک کر بولا۔اور نور ہلکا سا مسکرادی۔اس نے واقعی ہی بچوں کی طرح ری ایکٹ کیا تھا۔اگر حبیب کی جگہ وہ خود ہوتی تو وہ بھی یوں ہی ہنستی۔

"Noor ul Arsh, You are such a little baby!"اس نے ہنستے ہوئے کہااور آگے بھی ہنستے جارہا تھا۔

مگر۔۔مگر دوسری طرف سب رک گیا تھا۔نظامِ کائنات تھم سا گیا تھا۔وقت کی چابی گھما کر اسے جامد کر دیا گیا تھا۔سانسیں ساکن ہو گئی تھیں۔زندگیوں کی ڈوریں کھینچ لی گئی تھیں۔نورالعرش کا دل و دماغ بھی حرکت بھول گیا تھا۔بس ایک جاری تھا تو حبیب سکندر کا ہنستا مسکراتا چہرہ۔نور مسکرانا تک بھول گئی۔ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس دنیا میں نورالعرش اور حبیب سکندر آخری دو لوگ بچے ہیں۔جو محبت سے ایک دوسرے کو

دیکھ رہے ہیں۔ محبت کے پروانے اترتے دکھائی دئے اور دونوں کے اوپر محبت سے پھول برسائے اور ساتھ ہی ایک ادا سے دونوں کے رخساروں پر بوسہ دے گئے۔

اس نے نور کو یوں ٹکر ٹکر دیکھتے ہوئے ہنسنا روک دیا تھا۔ آخر کوئی انسان کتنا ہی ہنس سکتا ہے؟ مگر نور اب بھی اسے مسکراتا ہوا ہی دیکھ رہی تھی یا شاید اس کی نظروں میں بس اب وہی حبیب محفوظ ہو گیا تھا۔ حبیب اب زرا مسکراہٹ ہونٹوں کے پردے میں چھپاتے اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر چہرے پر کچھ عجیب سے متحیر تاثرات آئے۔

"نور؟" مگر وہ کچھ سن نہیں رہی تھی۔ اس کے دلو دماغ میں نا جانے کیا چل رہا تھا۔ "نور!"

اس بار زرا تیز بولا، نور ایک دم سے گو کسی خواب کی سی کیفیت سے باہر آئی۔ نظریں اب بدلی ہوئی تھیں، پہلے سے بلکل مختلف۔

"ہاں؟" وہ آرام سے بولی۔ حبیب اب مسکرا بھی نہیں رہا تھا۔

"چلیں؟" آرام سے پوچھا۔

"اوکے!" پھر دونوں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ نور کافی آہستہ چل رہی تھی۔ یا شاید اسکے قدم گھر جانا ہی نہیں چاہ رہے تھے۔ وہ بس اس شخص کے ساتھ ہی وقت

گزارنا چاہتے تھے۔اب سامنے دیکھو تو گھر کے پیچھے سے نکلتی راہداری کا سرا نظر آتا تھا۔حبیب نے دیکھا اور پھر پیچھے کو مڑا۔

"نور!" وہ بھی اسکی طرف دیکھی، ساتھ ہی رک بھی گئی۔

"میرے پاس تمہارے لئے کچھ ہے۔" وہ رک کر اسکی طرف دیکھا پھر آرام سے بولا۔

"کیا؟" وہ مسکرائی۔

اس نے آرام سے جینز کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نکال کر نور کی طرف بڑھایا۔نور نے تھام لیا۔وہ کوئی ڈبّی سی تھی۔نور نے محبت بھری مسکراہٹ کے ساتھ وہ ڈبی کھولی۔اندر ایک خوبصورت پینڈنٹ سا تھا۔پینڈنٹ کی چین سنہرے رنگ کی تھی اور وسط میں ایک گہرے سبز رنگ کا پتھر چمک رہا تھا۔سبز پتھر، سنہری چین میں بے حد دلکش لگ رہا تھا۔

نور کی سنہری آنکھوں میں بے انتہا چمک در آئی۔وہ چلاّنا چاہتی تھی، اتنا کہ ساری دنیا سنے۔وہ جھوم اٹھنا چاہتی تھی، اتنا کہ ساری دنیا اس پر رشک کرے۔وہ ہواؤں میں اڑنا چاہتی تھی، اتنا جتنا کوئی پرندہ بھی نہ اڑ سکا ہو۔مگر۔۔وہ بس مسکرائی اور چہرہ اٹھا کر حبیب کو دیکھا۔

"تھینک یو!" حبیب جو دل تھامے اسے دیکھ رہا تھا، اب جا کر مسکرایا۔ پھر دونوں دوبارہ چلنے لگے۔

"تمہے پسند آیا؟" حبیب اسے دیکھا۔ نور اب بھی ہتھیلی پر رکھے پینڈنٹ کو دیکھ رہی تھی۔

"بہت زیادہ!" دل سے مسکرائی اور ڈبی دوبارہ بند کر کے جیکٹ کی جیب میں ڈال لی۔ دونوں اب تیز تیز چل رہے تھے۔ اندر گھس کر حبیب اوپر کو چلا گیا جبکہ نور مین گیٹ کی طرف آگئی۔ وہاں گیٹ کیپر خڑاٹے مار رہا تھا۔ نور آہستہ آہستہ چلتی اس کے کمرے تک آئی۔ (وہ باہر بیٹھا تھا، کمرہ خالی تھا) کمرے کے اندر گھس کر دروازے کے ساتھ پڑی میز پر سے چابیوں کا گچھا اٹھایا، یوں کہ چابیوں کی آواز نہ گونجے اور جیب سے پچھلے گیٹ کی چابی نکال کر اس گچھے میں ڈال دی۔ پھر آرام سے رکھ کر واپس مڑی اور باہر نکل گئی۔

اب اسے اس چابی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ دل پر سے ایک بوجھ سا اتر گیا تھا۔

کچھ دیر بعد آسمان پر صبح صادق کی پہلی کرن چمکی۔ خوبصورتی سی چھلکی۔ ایک نیا دن، ایک نیا احساس، ایک نئی شروعات!

☆☆☆

صبح صادق کی پہلی قرن کے چمکنے سے پہلے، سب اپنے کمروں میں سوئے پڑے تھے۔ بس دادی جان ہی بیٹھی تھیں اپنے کمرے میں تہجّد پڑھنے۔ مگر اگر گھر کے باہر کا منظر دیکھو تو ایک اور کمرا بھی زرا روشن نظر آئیگا۔ وہ نورالعرش کا کمرہ تھا۔ بیلکونی کا دروازہ کھلا تھا۔

نور نے بیلکونی کے دروازے کے آگے سے کرسی ہٹائی ہوئی تھی۔ وہ اب دیوار کے ساتھ لگی میز کے آگے کرسی رکھے اس پر بیٹھی تھی۔ بیلکونی کے باہر جھانکو تو درخت ہوا کے باعث ہل رہے تھے۔ نور اپنی ٹیبل پر بیٹھی، سامنے پڑے چھوٹے سے آئینے پر اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔ اسکے گلے میں گہرے سبز رنگ کے پتھر والا پینڈنٹ چمک رہا تھا۔ اور نور اسکو پہن کر دمک سی رہی تھی۔ وہ خوش تھی۔ بہت خوش۔

حبیب ایک دفعہ پھر اسے جانے سے پہلے کچھ دئے جا رہا تھا۔ کچھ ایسا جو وہ ہمیشہ سنبھال کر رکھے گی۔ حبیب کے نام کے ساتھ۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا، اپنے جانے سے پہلے اپنی یاد میں کوئی چیز چھوڑ آتا تھا۔ وہ ہمیشہ ایسا کرتا تھا، محبت کرنے والوں کی طرح!

نور مسکرائی۔ وہ پینڈنٹ بے حد خوبصورت لگ رہا تھا اس کے ساتھ۔ پھر اسنے آئینہ لٹا دیا اور مسکرا کر کچھ سوچتی رہی۔ پھر میز کی دراز کھولی اور اندر سے ایک صفحہ نکالا اور ایک پین۔ پھر جھک کر مسکرا کر، اس پر کچھ لکھتی رہی۔ لکھتی رہی۔ ہر لفظ، ہر جملے پر

اسکی چہرے کی مسکراہٹ بدلتی اور نئی ہو جاتی۔اس کے بھورے بال، باہر سے آتی ہلکی ہوا سے زرا زرا ہل رہے تھے۔وہ لمحہ اقرار کا تھا۔وہ خط اقرار کرتا تھا۔

لکھا اور پھر بنا پڑھے دراز میں واپس ڈال دیا۔اس نے صبح یہ خط حبیب کے بیگ میں ڈالنا تھا۔جو یقیناً اب وہ امریکہ جا کر ہی کھولے گا۔کچھ لوگوں میں اقرار کی ہمت نہیں ہوتی، یا شاید وہ سامنے والے کے ردِ عمل سے مخفی ہوتے ہیں۔

پھر وہ اٹھی اور بیلکونی کے دروازے تک آئی۔بال اب زرا زیادہ تیزی سے اڑے۔وہ مسکرائی۔پھر پیچھے آ کر کرسی واپس بیلکونی کے دروازے کے آگے سجا دی۔اور ہوا کا راستہ رک گیا۔پھر وہ بیڈ پر آ کر لیٹ گئی اور لائٹ آف کر دی۔

چند گھنٹے بعد:

صبح روشن اور تروتازہ اتری تھی۔کمرے کا دروازہ زور زور سے بجایا جا رہا تھا۔نورا اٹھی اور انگڑائی سی لی۔زرا تھکاوٹ سی محسوس ہو رہی تھی مگر پھر بھی تروتازگی سی تھی۔

"نور بیٹا! ناشتہ تیار ہے اور سب آپکا انتظار کر رہے ہیں۔" خانساماں نے حسبِ عادت اسے ناشتے پر بلایا۔

"اچھا آ رہی ہوں۔" بڑی سنہری آنکھوں میں عجیب سی خوشی ابھری۔ابھی اسے ایک کام کرنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے سے، روز کی طرح تیار سی نکلتی دکھائی دی۔ زینے پھلانگتی نیچے اتری، تو ڈائننگ روم سے سب کی آوازیں باہر آرہی تھیں، یعنی سب وہاں موجود تھے۔ لاؤنج کے دروازے کے باہر بہت سے بیگز جڑے پڑے تھے۔ اس نے ایک ایک کر کے سب بیگز پر نظر دوڑائی، پھر ایک پر نظر آکر رک گئی۔ اس نے ایسا ہی ایک بیگ حبیب کے کمرے میں دیکھا تھا۔ یعنی یہ اسی کا بیگ ہو سکتا ہے۔

وہ آگے آئی اور جھک کر وہ بیگ آرام سے کھولا اور وہ خط اندر کو پھینک دیا۔ پھر اوپر کو ہوئی اور اندر ڈائننگ روم کا رخ کر لیا۔ اندر سب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر وہاں سب نہیں تھے۔ ابھی حلیمہ تائی کی فیملی اور حبیب نہیں آئے تھے۔ وہ مسکراتی ہوئی، سلام کر کے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھی گئی۔

نور کے جانے کے بعد، اوپر کی سیڑھیوں سے کوئی اترا۔ پھر قدم قدم چلتے بیگز کے قریب آیا۔ پھر آخری والا بیگ کھولا اور اندر سے چند کپڑے نکالے۔ دوسری جانب سے دیکھو، تو وہ خط ان کپڑوں کے درمیان دبا نظر آتا تھا۔ پھر بیگ بند کر دیا اور وہ کپڑے صحیح کر کے اوپر لے گیا۔ وہ ثناء تھی یعنی وہ بیگ حبیب کا نہیں، ثناء کا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کوئی دوبارہ اترا اور بیگز کے آگے زمین سے کچھ اٹھایا۔

کچھ دیر بعد سب ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے اور نور زرا زرا دیر بعد حبیب کو دیکھ کر ہنس دیتی۔وہ بھی ہنس دیتا،اسے لگا نور رات والے واقعے پر ہنس رہی ہے۔کوئی بھی انہیں نہیں دیکھ رہا تھا،سوائے ثناء کے۔نور کے گلے میں پینڈنٹ لٹکا تھا،خوبصورتی سے۔

"نور!آج ڈیسائنز کی کال آئی تھی،وہ کہہ رہا تھا کہ ڈریسز ریڈی ہیں لیکن آکر ایک دفعہ چیک کر لو۔"عثمان نور کو مخاطب کر کے بولا۔

"ہاں شیور چلے جائیں گے۔حبیب بھی آجائے گا۔"حبیب تیزی سے اسے دیکھا۔اس نے تو نور سے کوئی کمٹمنٹ نہیں کی تھی۔

"میں کیا۔۔"نور نے اسکی بات کاٹی۔

"تم نے بھی اپنا جوڑا دیکھنا تھا۔وہ بھی تو کل (ساتھ ہی آنکھ سے سمجھ جانے کا اشارہ کیا)۔۔یاد نہیں؟"

حبیب گڑبڑا کر بولا۔

"ہاں۔یس،یس!"حبیب کا منہ سا بنا۔یہ لڑکی بہت اَن ایکسپکٹڈ تھی!

"مجھے بھی جانا ہے۔میں نے اپنے ڈریس سے میچنگ ہیلز لینی ہیں۔"ثناء بیچ میں بولی۔نور کے ماتھے پر بل پڑے،مگر اب کیا کہتی اسے۔

نور نے حبیب کو دیکھا اور حبیب نے بھی بس لمحے کو اسے دیکھا۔ دونوں نے آنکھوں آنکھوں میں بات کر لی تھی۔

"ہاں شیور، تم بھی آ جانا!" عثمان بولا۔

ثناء مسکرا دی۔ اور نور کا زرا سا منہ بن گیا۔ مگر پھر ٹھیک ہو گئی۔ حبیب بھی تو ہو گا اسے کمپنی دینے کے لئے!

☆☆☆

گاڑی اب گھر سے نکل رہی تھی۔ نور کا موڈ اچھا تھا آج۔ باہر بادل بھی تھے اور تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہوا کے باعث گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بھی اسکے بال اور رسّی نما دوپٹہ ہوا میں اچھل رہا تھا۔ حبیب اور عثمان آگے بیٹھے تھے، جبکہ ثناء اور نور پیچھے۔ دونوں کے درمیان کافی گیپ تھا، دونوں کو ایک دوسرے سے چپکنے کا کوئی شوک نہیں تھا۔ ہونہہ!

نور نے کھڑکی کھول دی اور باہر سے آتی ٹھنڈی ہواؤں کے تھپیڑے انجوائے کرنے لگی۔ ثناء نے برا سا منہ بنایا۔ اسکے بال بھی اب خراب ہو رہے تھے مگر نور کو کچھ بولا نہیں، وہ راستے میں بحث کر کے سفر خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

گاڑی اب سپیڈ میں آگے دوڑ رہی تھی، رش کم تھی۔ نور نے مسکرا کر سر گاڑی سے باہر نکال لیا۔ بھورے بال ہوا میں تیزی سے اڑے۔ ایسے جیسے کسی قیدی کو عمر قید کے بعد کھلی فضا میں آزاد کر دیا جائے۔ اس کے بھورے بال یوں اڑتے بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ نور کی نظر آگے کے سائڈ مرر پر پڑی، جہاں سے اسے حبیب کا چہرہ نظر آیا۔ حبیب بھی فوراً سائڈ مرر میں دیکھا، جیسے اسے احساس ہو گیا تھا کہ نور اسے دیکھ رہی ہے۔

نور اسے دیکھ کر ہنسی۔ حبیب نے بھی مسکراہٹ چہرے پر سجا دی۔ نور نے زبان نکالی۔ "اے و، اے و!" حبیب ہلکا سا ہنسا۔ ثناء اور عثمان بے اختیار اسے دیکھے اور دونوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ سائڈ مرر پر کس کا چہرہ دیکھ کر ہنسا تھا۔ عثمان زرا کچھ سمجھ کر مسکرایا اور ثناء ناک چڑھا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ حبیب اب پھر سامنے دیکھنے لگا اور آنکھیں زرا اوپر کو کر کے دل میں "اوہ گاڈ، یہ لڑکی!!" کہا۔

"نور، پلیز یہ کھڑکی بند کر دو۔ ہم ڈسٹرب ہو رہے ہیں!" ثناء بس بول پڑی۔

نور اسکی طرف دیکھی۔ دل میں "چڑیل کہیں کی!" کہا مگر زبان سے "شیور!" ہی نکلا۔

وہ سمجھ گئی تھی ثناء کیوں اتنی چڑ رہی ہے۔ خیر! کسی بھی بدمزگی سے بچنے کے لئے وہ پیچھے ہو گئی اور کھڑکی اوپر چڑھا لی۔ اور یہی فرق تھا اس میں اور ثناء میں۔

مال میں پہنچ کر ثناء جوتوں کی دکان میں گھس گئی۔اور عثمان اور نور اوپر کے فلور پر برینڈ کی شاپ پر جا رہے تھے۔حبیب کو کوئی کال آگئی تھی تو وہ باہر ہی رک کر بات کر رہا تھا۔ثناء نے دوکان سے زرا نکل کر دیکھا کہ نور اور عثمان اوپر کو جا رہے تھے۔وہ پھر سے باہر نکل آئی دوکان سے۔شاید وہ کسی اور کا انتظار کر رہی تھی۔

نور اور عثمان اب اوپر کے فلور پر اسی برینڈ کی شاپ پر موجود تھے۔ڈیزائنر اب انہیں کھول کر ڈریسز چیک کروا رہا تھا۔اور نور کی آنکھوں کی چمک بیٹھ ہی نہیں رہی تھی۔ڈریسز بلکل ویسے ہی بنے تھے، جیسے اسنے چاہا تھا اور وہ تو گو، خوشی سے پاگل ہی ہوئے جا رہی تھی۔

ڈریسز کے بعد اب نور وہیں آفس میں بیٹھی رہی کافی دیر تک۔وہ حبیب کا شدّت سے انتظار کر رہی تھی۔وہ اسے ڈریسز وہیں دکھانا چاہتی تھی مگر وہ تو آنے کو ہی نہیں دے رہا تھا۔اور اسکا انتظار اب غصّے میں بدل رہا تھا۔آخر کس کی اتنی لمبی کال ہے؟ عثمان باہر پے منٹ وغیرہ کلئیر کر رہا تھا۔تبھی عثمان آگیا اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

"حبیب کہاں ہے، عثمان بھائی؟"

"وہ شاید نیچے ثناء کے پاس ہے۔"نور کے ماتھے پر بے اختیار بل پڑے۔وہ اتنی دیر سے اوپر اسکا انتظار کر رہی تھی اور وہ نیچے اس چڑیل کے پاس ہے؟

وہ اسی سوچ میں تھی کہ عثمان بے اختیار پوچھ پڑا۔

"چلیں؟" وہ جیسے کسی سوچ سے نکلی۔ ماتھے پر اب تک بل پڑے تھے۔

"جی، چلیں!" آواز میں اب وہ جوش اور چہرے پر اب وہ خوشی والے آثار کم ہو گئے تھے۔ آنکھوں کی چمک بھی زرا سی ماند پر گئی تھی۔ اور عثمان نے یہ سب نوٹ کیا تھا۔

ڈریسز گھر ڈیلیور کئے جانے تھے تو وہ اب زرا بے فکری اور خوشی سے باہر نکلے۔ شاپ سے باہر نکل کر اس کی نظر بلکل سامنے پڑی۔ اسے کچھ شناسا سا چہرہ نظر آیا۔ وہ یقیناً حبیب تھا۔ اسے جانے کیوں رنج ہوا۔

"نور! وہ شاید سامنے والی شاپ پر ہیں۔"

"جی؟" نا سمجھی سے عثمان کو دیکھی۔ اسے بہت غصّہ آرہا تھا حبیب پر۔

"وہ سامنے!" اسے احساس ہوا کہ کہیں اس کے ایکسپریسز ظاہر نہ ہو جائیں تو وہ بدقت مسکرائی۔

"جی۔ ہاں۔ چلیں!" دونوں چلتے چلتے سامنے والی شاپ کے سامنے آرکے۔

نور کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ صوفے پر بیٹھی ہیلز ٹرائے کر رہی تھی اور حبیب۔۔ حبیب مسکرا کر اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ نور کا دل چاہا وہ جا کر ان دونوں کا سر پھوڑ دے۔ وہ لمحے بھر کو رکی اور گہری سانس لی۔ پھر واپس چلنے لگی۔

آخر وہ حبیب کے بارے میں اتنی پوزیسو کیوں ہو رہی تھی؟ وہ آخر ایسے شخص کے بارے میں اپنے دل میں کیوں خوش فہمیاں پال رہی تھی، جس نے اسے بس کچھ ہی دنوں میں چھوڑ جانا تھا؟ اور پھر شاید وہ سالوں بعد ملیں، جیسے اب سالوں بعد ملے ہیں۔

اور ملنے والے تو، جدا ہونے کے لئے ہی ملتے ہیں۔

شاپ کے اندر نہیں گھسی باہر پڑی بینچ پر بیٹھ گئی۔ عثمان اندر گھسا۔ وہ باہر سے اندر کا منظر دیکھنے لگی۔ ثناء دل کھول کر مسکرا رہی تھی۔ اسنے ابھی نور کو باہر بیٹھے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اب ہیل سلیکٹ کر لی تھی اور اس ہیل کو اب کاؤنٹر کے پاس پیک کر کے لے جایا جا رہا تھا۔ پے حبیب نے ہی کیا تھا اور ثناء زرا بھی فارمل نہیں ہوئی تھی۔

نور نے دیکھا حبیب اب منہ موڑ کر شاپ کے باہر نور کو دیکھ رہا ہے۔ نور نے فوراً سر جھکایا اور کلچ سے موبائل نکال لیا۔

اسے احساس ہوا وہ غلط طرف اپنا دھیان لے جا رہی ہے۔ یہ راستہ اس کے لئے نہیں ہے۔ وہ جس زندگی میں خوش تھی، اسے اسی میں رہنا تھا۔ آپ میں اتنی طاقت ضرور ہونی چاہیے کہ باہر سے آنے والا کوئی بھی شخص آپکی برسوں کی زندگی کو دو دن میں پلٹا نہ سکے۔

اب وہ تینوں شاپ کے باہر آ رہے تھے۔ نور بھی اٹھ گئی۔ حبیب اس کے قریب آنے لگا مگر وہ موبائل پر نظریں جمائے تیزی سے آگے عثمان کے ساتھ چلنے

لگی۔ حبیب کی مسکراہٹ اب پھیکی پڑ گئی۔ یہ نور کا خفگی ظاہر کرنے کا انداز تھا اور حبیب نے جانچ لیا تھا۔ ثناء فوراً حبیب کے ساتھ چپک گئی۔

تھوڑا آگے جا کر عثمان نے تینوں سے کھانے پینے کا پوچھا اور تینوں نے انکار کر دیا۔ خیر عثمان نے اپنے اور نور کے لئے کیفے سے کافی کے مگز اور سویٹ بنز لے لئے۔

"تھینک یو، عثمان بھائی!" اس نے بلا جھجک تھام لیا۔ عثمان نے مسکرا کر سر ہلایا۔

ثناء واش روم گئی تو وہ تینوں اب اسکا انتظار کرنے رک گئے۔ عثمان تھوڑا سائڈ پر ہو گیا اور موبائل آن کر لیا۔

"تم خفا ہو؟" حبیب پیار سے اسے پوچھا۔

"کتنی دیر ہوئی ہے ابھی؟ (نور نے موبائل کی سکرین آن کر کے ٹائم دیکھنے کی اداکاری کی) اوہو! ابھی تو بس پندراں منٹ ہی ہوئے ہیں۔ اتنا جلدی احساس ہو گیا؟" نور نے طنز کیا تھا۔

"مجھے تمہارا احساس کرنے کیلئے وقت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارا چہرہ دیکھ کر ہی جان گیا تھا۔" نور کے دل میں جیسے سمندر کی لہریں ٹھاٹھیں مارنے لگیں۔

(نہیں نور نہیں!!)

"نہیں میں تم سے خفا۔۔" لہجے میں زرا سی نرمی آنے ہی لگی کہ اس نے ثناء کو باہر آتے دیکھا۔چہرے پر تاثرات پھر سے سخت ہو گئے۔"لو آگئی تمہاری بیسٹ فرنڈ! چلو تم دونوں انجوائے کرو، میں گاڑی تک پہنچتی ہوں۔"

کہہ کر وہ تیزی سے آگے چلنے لگی۔حبیب نے اسکے لہجے کا اتار چڑھاؤ خوب بانپا تھا۔

گاڑی کے پاس پہنچے تک ثناء جانے حبیب سے کون کون سی باتیں کر رہی تھی۔گاڑی کے پاس پہنچ کر اس نے دیکھا نور آگے بیٹھی ہے۔یعنی پیچھے اسے ثناء کے ساتھ بیٹھنا تھا۔وہ بلا جھجک بیٹھ گیا۔

نور کو احساس ہوا کہ وہ غلط کر رہی ہے۔آخر اسے حبیب کو اتنا سیریس نہیں لینا چاہیے۔اگر، وہ اسکی کزن ہے، تو ثناء بھی تو ہے۔اگر وہ اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی تو وہ بھی اس سے بات کرنا چاہتی ہو گی۔وہ جسم میں، بیچ کا وہ پرزا تھا، جسے دونوں جگہ فنکشن کرنا تھا۔

یہ کوئی 'لو ٹرائی اینگل' نہیں تھا۔بس احساسات تھے، اور دل۔دل تو جہاں بھی آجائے آجائے۔دل تو دل ہے!

گھر پہنچ کر وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔مریم کو بس اتنا بتا دیا کہ ڈریسز کل ڈیلیور کئے جائیں گے۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا اور نور خفا خفا سی اپنے کمرے کے بیڈ پر لیٹی تھی۔ وہ دوپہر کو ہونے والی بات پر خفا نہیں تھی، بلکہ اس بات پر تھی کہ آخر حبیب اسے ابھی تک منانے کیوں نہیں آیا۔ پھر سوچتی کہ اس نے تو منایا تھا مگر وہی طنز کر کے آگے بڑھ گئی تھی مگر، پھر سوچتی کہ نہیں! وہ تو اسے ایسے نہیں مناتا تھا۔ وہ تو اسے ہمیشہ 'راضی' کر لیتا تھا۔

پھر تمام خیالات کی زنجیر کو دماغ سے جھٹکتی ہوئی بیڈ سے اٹھی اور بیلکونی سے باہر جھانکا۔ ابھی تک اس نے آگے سے کرسی نہیں ہٹائی تھی نہ ہی کرسی اپنی جگہ سے ہلی تھی۔ وہ زرا ٹھٹکی، حبیب باغیچے میں دائیں بائیں موبائل ہاتھ میں پکڑے چکر لگا رہا تھا۔ اس نے سوچا، ہو سکتا ہے دوپہر کو وہ اسکے طنز پر خفا ہو گیا ہو؟

کمرے سے نکلی اور بنا ادھر ادھر دیکھے سیدھا باہر باغیچے کا رخ کیا۔ وہ اب دوسری طرف منہ کئے کھڑا تھا، شاید موبائل پر کچھ پڑھ رہا تھا۔

گلا زرا سا کھنگارا۔ حبیب نے چونک کر مڑ کر دیکھا اور پھر واپس آگے دیکھنے لگا۔ اور نور العرش پر تو جیسے پہاڑ ہی آ گرا۔ آخر حبیب سکندر بھی اسکے ساتھ ایسا کر سکتا تھا؟

وہ قدم قدم چلتی اس کے قریب گئی۔

"تم مجھ سے خفا ہو، حبیب؟" حبیب نے نظر اٹھا کر اسکی آنکھوں میں دیکھا اور پھر واپس نیچے دیکھنے لگا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں جواب سوال ہو گئے تھے!

"اُف!! تم مجھ سے خفا نہیں ہو سکتے۔ میں تم سے خفا ہوں۔ مجھے مناؤ!" وہ لاڈ ملے غصّے سے کہنے لگی۔ حبیب نے کوئی جواب نہ دیا۔

"حبیب تم۔۔"

"نور، میں کچھ پڑھ رہا ہوں۔ کین یو پلیز بی کوائٹ، فور آوائل؟"

نور تو جیسے آگ بگولا ہو گئی۔ مگر ضبط کر گئی۔ آخر کوئی اسے کیسے اگنور کر سکتا تھا؟

اب اگر وہ کچھ کہتی تو وہ پھر اسے ایسے ہی خاموش کروا دیتا۔ اب ایک ہی طریقہ تھا۔

نور نے مٹھی بھینچی اور ایک زوردار مکا حبیب کے بازو پر دے مارا۔

حبیب اسے ڈسٹرب ہونے کے انداز میں دیکھا۔

"میرے ہاتھ، میری مرضی!"

"نور؟ کیا۔۔" بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

لہجہ اب تھوڑا بہتر تھا۔ نور آخر اب دل کھول کر مسکرائی۔

"کیوں اتنے نخرے کر رہے ہو؟"اس نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔نور نے اسکے ہاتھ سے موبائل کھینچ کر اپنے پیچھے کر لیا۔

"میں کچھ کہہ رہی ہوں؟"

"میرا موڈ،میری مرضی!"

"حبیب!"وہ اب زرا خفگی سے بولی۔

اس نے گہری سانس لی۔

"دیکھو نور!"لہجہ اب سمجھانے والا تھا۔"جس طرح تم ہو۔ویسے ہی میرے لئے ثناء اور زیمل بھی ہیں۔اگر میں تمہے ٹائم دیتا ہوں تو وہ بھی میری کزنز ہیں۔"

"تم مجھے ان سے کمپیئر کر رہے ہو؟"اس کے ماتھے پر بل سے پڑے۔

"نور،تم خود انہیں اپنے آپ سے کمپیئر کر رہی ہو۔تم!تم ہر چیز میں اس سے مقابلہ کرنے بیٹھ جاتی ہو اور یہ بلکل غلط ہے!"وہ اسے سمجھا رہا تھا اور نور کو جانے اندر کیا چبھا تھا۔وہ واقعی غلط کر رہی تھی۔

"تم،تم ہو!اور وہ،وہ ہیں!ہمیں کسی کو اپنے آپ سے کمپیئر نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی دوسروں سے امیدیں رکھنی چاہیے۔ہم دوسروں کو پرفیکٹ دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ نا ممکن ہے۔ہم سب ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ہم سب میں خامیاں اور

خوبیاں ہوتی ہیں۔میں کسی فیری ٹیل کا پرنس نہیں ہوں،اور نہ ہی تم کوئی پرنسس۔اور ہم دونوں ایک دوسرے کو اپنی مرضی کا نہیں بنا سکتے۔بی ریئلسٹک!"نور کو سمجھ نہیں آیا وہ اسے یہ سب کیوں کہہ رہا تھا۔

"جسٹ بی یور سیلف۔!Know your worth"

اسکی بات جیسے نور کے دل کو ٹکرا کر گزری تھی۔

"اب ایزی ہو جاؤ!اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہونا چھوڑ دو۔یو او کے؟"وہ اب دل سے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"آئی ایم!"اس نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ بھی دل سے مسکرائی۔اور ساتھ ہی موبائل والا ہاتھ آگے کر دیا۔

حبیب نے اس کے ہاتھ سے موبائل تھاما اور خوبصورت سی مسکراہٹ باغیچے میں نور کے پاس چھوڑتا خود اندر چلا گیا۔

نور اسے جاتا دیکھتی رہی۔اس کے گے میں پینڈنٹ چمک رہا تھا۔

☆☆☆

اگلا دن قدرے بزی تھا۔حبیب اپنے دوستوں سے ملنے گیا ہوا تھا،ساتھ ہی شادی کا انویٹیسن بھی دینا تھا۔نور اپنے کمرے میں ہی تھی زیادہ وقت۔آج شادی کے کپڑے

ڈیلیور ہو گئے تھے اور سب بے حد خوش تھے۔ کپڑے بہت خوبصورت بنے تھے۔ عثمان اور سکندر بھی چند پاکستانی دوستوں کو انوائٹ کرنے گئے ہوئے تھے۔ اور یہی حال ثناء اور حلیمہ کا بھی تھا۔ زیمل اپنی نانی کے ساتھ ہی تھی۔

اسلام آباد پر رات کب کی اتر گئی تھی۔ سب سونے کو چلے گئے تھے، آج شام کو سو جانے کے باعث نور کو رات کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ سو وہ کھانے کے بعد سیدھا باغیچے میں آ گئی۔ وہیں آگے پیچھے کو ٹہل رہی تھی۔ چہرے پر عجیب سے پریشان سے تاثرات تھے۔ جانے کیوں دل بیٹھا جا رہا تھا۔

تبھی پیچھے سے گلا کھنگارنے کی آواز کو مڑی۔ وہ حبیب تھا۔

"آج تو بلکل کمرے سے باہر نظر ہی نہیں آئی۔" وہ اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

"جیسے تم تو میرے انتظار میں بیٹھے تھے نا۔ تم خود بھی تو دوست سے ملنے گئے تھے اور شام کو لوٹے۔" وہ طنزیہ بولی۔

"ارے یار! میں اتنے سالوں بعد آیا ہوں۔ کچھ پاکستانی دوستوں سے بھی مل لوں، سوچا۔"

"ہاں تو جاؤ، بیٹھو اپنے دوستوں کے ساتھ۔ میں تو بور ہو ہو کر مر ہی جاؤں، تمہے کیا!" یہ بھی طنز ہی تھا۔ حبیب ہنسا۔

"تم آج کل اپنی ریسرچ میں بھی بزی ہو۔اور شادی کی تیاریوں میں بھی۔"

کچھ دن پہلے وِنی سے انکو ریسرچ کے لئے فری کر دیا گیا تھا۔اس نے اپنا ٹاپک ڈیسائڈ کر لیا تھا اور اب وہ پروٹوکول بنا رہی تھی تاکہ جلد از جلد جمع کروا کر اپنی ریسرچ اپرو و کروا لے۔

"بس بہانے ہی بناؤ تم!" حبیب پھر سے ہنسا۔

پھر دونوں خاموش ہی رہے۔

"پریشان ہو؟" حبیب پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"ناٹ ریئلی! تمہیں کیوں لگا؟" اسنے بھنویں بھینچیں۔

"میں اس چہرے کو عام طور پر خاموش نہیں دیکھتا۔اسی لئے اندازہ ہو جاتا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"نہیں بس تھوڑا دل گھبرا رہا ہے۔پتا نہیں کیوں، عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے کچھ برا ہو رہا ہے، یا ہو جائے گا، یا پتا نہیں کیا؟" وہ جھنجلائی ہوئی لگتی تھی۔ تھوڑی اداس بھی۔

"تو قرآن پڑھ لو! دل ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے مشورہ دیا۔

"نہیں مطلب اس طرح نہیں۔قرآن ٹائپ والا محسوس۔۔" حبیب نے اسکی بات کاٹی۔

"یہ 'قرآن ٹائپ' کیا ہوتا ہے؟" وہ زرا گڑبڑائی۔

"نہیں آئی مین، قرآن سے اس وقت کیا ہوگا؟ بس یونہی۔۔" وہ تیزی سے وضاحت دینے لگی۔

"قرآن دلوں کی تکلیف ختم کر دیتا ہے۔ زہن کے پردوں کو فلٹر کر دیتا ہے۔ اور شک و شبہات کا جواب بھی دے دیتا ہے۔"

"ہاں وہ بھی پڑھتی ہوں۔ لیکن آج کل ٹائم نہیں ملتا۔" وہ پھیکا سا بولی۔

"نور! یہ ٹائم وائم کچھ نہیں ہوتا۔ قرآن پڑھنے کا بس ایک ہی وقت ہوتا ہے، اور وہ 'ابھی' ہے۔ یہ جو ہم خود کو تسلی دینے کے لئے بہانے گڑھتے ہیں کہ ٹائم نہیں ملا، اور کل سے ضرور پڑھونگی، یہ سب فضول ہوتے ہیں۔ جو واقعی ہی پڑھنے کی نیت رکھتا ہے، اسے 'ابھی' اٹھنا ہوتا ہے۔ اگر کتابیں پڑھنے کا کوئی ٹائم نہیں ہوتا، سوشل میڈیا کا کوئی ٹائم نہیں ہوتا، کھانے پینے کا کوئی ٹائم نہیں ہوتا، تو قرآن کا کیوں ٹائم رکھا جائے؟ وہ بھی بس 'ابھی کے ابھی' پڑھنا چاہیے۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"حبیب! قرآن میری باتوں کا جواب نہیں دیتا۔ اسکے پاس میرے مسلوں کوئی حل نہیں ہوگا۔" نور اسکی بات پر اداس سا بولی۔

"نور! ایسے مت سوچو۔ تم ٹرائی تو کرو! تمہیں جواب ضرور ملے گا۔اور اگر نہ ملا، تو انتظار کرو،اور غور کرو۔ قرآن میں غور کرنے والوں کے لئے نشانیاں چھپی ہوتی ہیں۔ قرآن ہر بات جانتا ہے،اور ہر سوال کا جواب رکھتا ہے۔" کہہ کر وہ مسکرایا۔

وہ اب بنا کچھ کہے،اندر چلی گئی۔ حبیب اسے پیچھے کھڑا دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

وہ اب بھاگتی ہوئی سٹڈی روم میں آئی اور ٹیبل پر پڑا قران اٹھایا۔ پھر قرآن لے کر ٹیبل کے پیچھے صوفے پے آ بیٹھی۔

اسکے اندر کچھ ڈوب کر ابھرا۔ لگا جیسے کچھ غلط کر رہی ہے۔اسے قرآن نہیں پڑھنا چاہیے۔ہ اسکی ٹائپ کی چیز نہیں ہے، یہ کتاب تو بس حبیب ٹائپ لوگوں کے لئے بنی ہے جنکو اگر کوئی روشنی دکھا کر سیدھے رستے کی طرف لے کر جائے تو وہ چلیں جاتے ہیں۔اور نورالعرش تو ان لوگوں میں سے تھی جن کو اگر روشنی دکھا کر سیدھا رستہ دکھایا جائے تو وہ پہلے شک کرنے کھڑی ہو جائے گی کہ کوئی اسے آخر کیوں، سیدھا رستہ دکھا رہا ہے؟

اس کے دل میں کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔اس نے ابھی قرآن نہیں کھولا تھا۔ وہ اسی شش و پنج میں تھی کہ کیا اسے قرآن کھولنا چاہیے؟ اس نے ایک دفعہ سنا تھا کہ "قرآن کو کھولنے والوں کی زندگی بدل جاتی ہے"۔ مگر وہ اپنی زندگی آخر کیوں بدلنا

چاہے گی؟سب کچھ تو صحیح تھا۔ بلکل پرفیکٹ۔ مگر اسنے یہ نہیں سوچا کہ کیا سب کچھ "ہمیشہ" صحیح رہتا ہے؟

پھر دل میں آیا کہ ابھی ابھی تو حبیب نے کہا تھا کہ 'قرآن ہر بات جانتا ہے اور ہر سوال کا جواب رکھتا ہے'۔ جانے کیوں اسکا دل چاہ رہا تھا کہ وہ حبیب کی بات کو غلط ثابت کر دے۔ پھر فوراً مسکرائی کہ حبیب کی بات کو غلط ثابت کر کے صبح اس پر جتائے گی!

اس نے قرآن کھولا۔ اور دل میں جیسے سارے ابہام اور فہم ختم ہو گئے۔ دل جیسے پُر سکون اور پاک سا محسوس ہونے لگا۔ جیسے خاموش اور صاف سا۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی کہ آخری دفعہ اس نے قرآن کب اٹھایا تھا؟ شاید کبھی بچپن میں؟ یا پتا نہیں کب؟

قرآن کھولتے وہ نشانی والا پیج کھل گیا، جس میں رسّی سی لٹک رہی تھی۔ وہ حیران ہوئی، قرآن تو دادی جان نے جانے کتنے سالوں کا ادھر رکھوایا ہوا ہے اور یہاں تو کوئی بھی نہیں آتا پھر قرآن کے درمیان نشانی کس نے لگائی۔ پھر اسے اندازہ ہوا کہ قرآن کے اوپر جمی ہوئی مٹّی بھی اب غائب ہے، جو اسے اکثر نظر آتی تھی۔ یعنی واقعی کوئی آتا ہے اور قرآن پڑھتا ہے۔

(یقیناً وہ حبیب ہی ہو سکتا ہے جو یہ قرآن پڑھتا ہو، کیونکہ مریم اور دادی جان کے پاس تو ان کا قرآن موجود ہے۔ اوہ گاڈ! وہ کیا سوچتا ہو گا کہ میں تو قرآن ہی نہیں پڑھتی اسی

لئے اس پر دھول جمی ہوئے ہے؟ خیر! آج میں اس کی نشانی بدل دوں گی تاکہ اسے لگے کہ میں بھی پڑھتی ہوں)

اس نے اب قرآن پر غور کیا۔ یہ 'سورۃ قصص' کی آخری آیات چل رہی تھیں۔ اس نے نظر نیچے کی۔ نیچے سے نئی سورۃ شروع ہو رہی تھی، 'سورۃ عنکبوت'۔

"کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور انکو جانچ نہ لیں گے؟"

خاموشی! گہری خاموشی! نورالعرش نے محسوس کیا کہ وہ کافی دیر سے وہیں بیٹھی ہے اور اب وہ آدھی رات کو اس منظر میں خاموشی میں گمی ہوئی ہے۔ کیا حبیب سچ؟!؟!

وہ حیران نہیں تھی، پریشان ہوئی تھی۔ اسے یقین آرہا تھا مگر وہ یقین کرنا نہیں چاہتی تھی۔ (بھلا قرآن کیسے انسان کو کسی بات کا جواب دے سکتا ہے؟ یہ تو بس پڑھنے کے لئے اتاری گئی ہے!) وہ ٹھٹکی ہوئی ادھر بیٹھی رہی۔

وہ جو حبیب کو یہ کہہ کر حیران کرنا چاہتی تھی کہ قرآن میں لوگ بس اپنی مرضی کی دلیلیں اور مرادیں نکال لیتے ہیں، اب خود پریشان سی بیٹھی تھی کہ نہ اسے دلیل چاہیے تھی اور نہ ہی وہ کوئی مراد باندھ رہی تھی پھر قرآن نے اسے محظ اس کی سوچ کا جواب کیسے دے دیا؟ کیا یہ کتاب واقعی ہی ہر چیز، ہر بات جانتی ہے؟ کیا اس کتاب کے پاس واقعی ہی ہر سوال کا جواب ہے؟

اس نے قرآن بند کر دیا۔لوگ اکثر 'تھوٹ پرووو کنگ '(سوچنے پر مجبور کرنے والی چیزوں)،سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔کوئی بھی اپنے آپکو محظ الفاظ کو پڑھ کر بدلنا نہیں چاہتا۔

وہ اٹھی اور تیزی سے جانے کے برعکس آرام آرام سے قدم قدم چلتی باہر نکلی اور پھر اوپر کو چلی گئی۔بیڈ پر لیٹے ہوئے بھی وہ آج بس یہی سوچ رہی تھی۔قرآن آخر کیوں اتارا گیا ہے؟آخر ایسی کتاب کا مقصد کیا ہے؟وہ نہ سمجھ سکی،نہ اندازہ لگا سکی۔

پھر آنکھیں بند ہو گئیں۔

☆☆☆

آج جمعہ کی رات تھی۔

رات کا وقت تھا۔اونچے درختوں والے گھر پر ایک عجیب سا سماں تھا۔اونچے درخت ہوا کے باعث ہل جل رہے تھے۔اور موسم اور وقت سے ناراض نظر آتے تھے۔اونچے درخت ایک دوسرے کے کانوں میں خفا خفا سا کھسر پھسر کر رہے تھے۔

"اے چھوٹی شاخوں والے پیڑ!کیا تو بھی میری طرح اداس ہے؟"ہوا سب کے بالوں کو لہرا رہی تھی۔باقی سب قطار میں خاموش ہی تھے مگر یہ سب سے بلند شاخ والا بول رہا تھا۔

"ہاں، جس بچی کو ہم نے اپنی جڑوں سے لے کر شاخوں تک آتے دیکھا، وہ اب ہمیں چھوڑے جا رہی ہے!" چھوٹی شاخوں والا بولا۔

کتنا ظالم سماج ہے!" ایک اور درخت بولا۔ اداسی سے۔ غم سے۔ پھر ہوا کا ایک سرد جھونکا آیا اور سب کی زبانیں بند ہو گئیں۔

سارا گھر روشن تھا اور باہر دیواروں کو قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ عجب نور کا سا ماحول تھا۔ خوشی تھی یا پھر غم۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔ اندر موجود ہر شخص کے اندر مختلف سے جزبات تھے۔ کہیں دلوں میں مسرت بھری محسوس ہوتی تھی تو کہیں ایک انجان سے غم نے قبضہ کر رکھا تھا۔

سب لوگ باہر باغیچے میں نکاح کے لئے موجود تھے، جہاں صوفے بچھے تھے۔

یہ تو وہ دن تھا، وہ وقت تھا جب۔۔ جب دو زندگیاں ایک ہونے کو تھیں۔ دو خیالات، دو جزبات، دو ہستیاں ایک ہونے کو بیٹھی تھیں۔ دو دل ملنے والے تھے، دو دنیائیں ایک ہونے کو تھیں۔ یہ وہ وقت تھا جب آسمانوں پر بنی جوڑیاں، آسمان والے کی زمین پر جڑنے جا رہی تھیں۔ آسمانوں سے پھول برسائے جانے تھے کہ

'اے بشر! تیرا رشتہ اب حلال کا ہے'۔

آسمانوں سے پریوں کے اترنے کا وقت تھا کہ یہ تو لمحہ ہی ایسا تھا۔ دشوار کہہ لو یا عہدِ حیات کا۔

یہ وہ گھڑی تھی کہ رشتے اب اوراق میں محفوظ ہونے کو تھے۔اور آنکھوں والے دیکھ رہے تھے، کیسے اتر رہی تھیں پریاں آسمانوں سے کہ یہ منظر ہی کچھ ایسا تھا۔ باہر کھڑے اداس سے درخت بھی جگمگا اٹھے تھے کہ یہ منظر ہی کچھ ایسا تھا۔ باہر چلتی ٹھنڈی ہوائیں بھی جھانک رہی تھیں، بے تابی سے۔ کہ یہ منظر ہی کچھ ایسا تھا۔اور اوپر کھڑا مسکراتا چاند بھی منظر دیکھنے کو دیوانہ تھا۔ کہ یہ منظر ہی اتنا خوشنما تھا۔

مریم سرخ عروسی لباس میں، چہرے پر گھونگٹ گرائے کسی شہزادی کی سی چال میں بیٹھی تھی۔ایک نئ زندگی کی ڈور میں بندھنے۔ایک نئے خواب کو جینے۔ عثمان سفید شیروانی میں ایک شہزادے کی سی چال میں بیٹھا تھا،اپنی نئ زندگی جینے۔۔دونوں تیار تھے اپنے ساتھی کا ہاتھ تھامنے،ایک نئے سفر کے لئے۔اور رشتے تو ایک سفر کے سے ہی ہوتے ہیں۔

نور بھی مریم کے ساتھ کھڑے، چہرے پر کسی ساحرا کی، حسینوں کی، آسمانوں کے نور کی سی خوبصورتی لئے مسکرا رہی تھی۔ وہ نورالعرش جو تھی۔اور اس کی دوسری طرف حبیب سکندر تھا۔ کسی ساحر کے جیسا، کسی گلاب کا سا، کسی محبت کرنے والے جیسا خوبصورت دکھتا۔ وہ حبیب جو تھا۔ چہروں پر برستے ساگر جیسا نور لئے ایک نئ کہانی کی شروعات دیکھتے وہ کسی شہزادہ، شہزادی سے کم نہ تھے۔

نور نے سنہرا عروسی کا مدار لہنگا پہنا تھا اور ساتھ ہی گہرے سبز رنگ کا زیور چڑھایا ہوا تھا۔اس کے سامنے کھڑا حبیب سیاہ کرتے میں ملبوس تھا، جس کے اوپر اسنے واسکٹ سی پہنی تھی۔وہ دونوں چمک دمک رہے تھے۔

دادی جان، حلیمہ اور زرینہ ایک صوفہ پر براجمان،دل تھامے دیکھ رہے تھے۔مریم اور عثمان کے درمیان ایک چادر سی تھی۔جس کو ثناء اور زیمل نے تھامے رکھا تھا۔چاروں گرِدار لوگ کھڑے مسکراتے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔مریم اور عثمان کچھ متذبذب سے مسکرا رہے تھے۔نئے سفر دشوار معلوم ہوتے ہیں۔

سکندر، مولوی صاحب کے ساتھ بیٹھے تھے۔اور جنید فوٹو گرافر کے ساتھ تھا، جو کہ اس کا دوست ہی تھا۔اب مولوی صاحب نے نکاح کی کاروائی شروع کی تھی۔نور ہلکا سا اسکے کان میں بولی۔

"ابھی بھی وقت ہے، سوچ لو!"اور مریم بس "شٹ اپ!"بول کر رہ گئی۔وہ گھبرائی ہوئی لگتی تھی۔

پہلے عثمان سے پوچھا گیا، پھر مریم سے۔دونوں سے دستخط لئے گئے۔عثمان نے جلدی سے کر لئے جبکہ مریم کے ہاتھ کانپے۔نور نے اس کے کندھے پر مسکراتے ہوئے نرمی سے ہاتھ ملا، گویا سے تسلی دے رہی ہو۔مریم نے زرا آنکھیں میچیں پھر جلدی سے سائن کیا۔نور زرا مسکرائی۔عثمان بھی۔پھر مولوی صاحب نے دعا کی۔سب نے ہاتھ

اٹھائے ہوئے تھے۔نور مسکرا رہی تھی،اور اس کے گلے میں لٹکا گہرے سبز رنگ کا پینڈنٹ چمک رہا تھا۔اس نے پینڈنٹ کے اوپر ہار بھی پہن رکھا تھا مگر پینڈنٹ کے اوپر اس کی چمک ماند پڑ رہی تھی۔پینڈنٹ تھا ہی ایسا۔دیا بھی محبت کرنے والے،ایک 'حبیب' نے تھا۔

دعا ختم ہوئی۔سب اٹھے۔ثناء اور زیمل نے درمیان کا پردہ گرایا۔عثمان اٹھا اور سکندر کے گلے لگا مسکرا رہا تھا۔مریم اور نور دونوں صوفے پر بیٹھیں ایک دوسرے کے گلے لگی تھی۔مریم کی آنکھوں سے جا بجا آنسو ٹپک رہے تھے البتہ وہ اب مسکرا رہی تھی۔اس کا گھونگٹ بھی اٹھا لیا گیا تھا۔زرینہ اور دادی جان بھی گلے لگے تھے۔دادی جان کے آنکھوں سے بھی آنسو ٹپک رہے تھے اور زرینہ صاف کر رہی تھیں۔سب آپس میں مل رہے تھے۔نور ثناء سے بھی ملی،البتہ ثناء اس سے ملتے وقت زرا بھی نہ مسکرائی۔مگر اس وقت کسے پرواہ تھی؟

تھوڑی دیر بعد،سب باہر وسیع باغیچے میں ہاتھوں میں کھانے کی پلیٹس پکڑے نظر آئے۔کچھ ٹیبلز پر بھی بیٹھے تھے،جو زرا سائڈ پر لگی تھیں۔حلیمہ،زرینہ،سکندر اور ثناء باہر مہمانوں کو ہوسٹ کر رہے تھے البتہ گھر کے باقی افراد اب اندر لاؤنج میں موجود تھے۔وسطی صوفے پر مریم اور عثمان ایک ساتھ بیٹھے تھے۔مریم کی دوسری طرف نور،جبکہ عثمان کی دوسری طرف زیمل بیٹھی تھی۔اب وہ سب تصویریں بنوا رہے

تھے۔ حبیب اب یہاں نظر نہیں آ رہا تھا، شاید وہ اپنے کمرے میں گیا تھا۔ دادی جان بھی وہیل چیئر پر بیٹھیں مریم کی سائڈ پر نظر آتیں۔

دادی جان بے حد خوش نظر آتی تھیں، آخر کو ان کے سر سے ایک بہت بڑی زمہ داری اتر گئی تھی۔ اور انہوں نے وہ زمہ داری بھی اچھے ہاتھوں سونپی تھی۔

جب سب ادھر ادھر مصروف ہو گئے اور نور بھی کہیں چلی گئی تو مریم اور عثمان نے سکھ کا سانس لیا۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھے اور مسکرائے۔ ایک نیا سفر شروع ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اگلا دن اونچے درختوں والے گھر پر بے حد مصروف اترا تھا۔ آج رخصتی کا دن تھا۔ مریم اور عثمان نے آج لاہور کے لئے دوپہر کو ہی نکلنا تھا۔ یعنی رخصتی دوپہر کو تھی۔ پھر رات کو انکی امریکہ کی فلائٹ ہے۔ باقی سب اگلے دن جائینگے تاکہ سکندر تمام کیٹرنگ، بوفے اور کھانے والوں کے معاملات حل کر لیں۔

مریم نے آج سفید میکسی سی پہن رکھی تھی۔ اوپر ہلکا میک اپ اور ہلکی ہی جیولری پہن رکھی تھی۔ وہ کسی دلہن کی طرح تیار نہیں ہوئی تھی کیونکہ اسنے لاہور روانہ ہونا تھا اور

ایسے تیار ہو کر وہ سفر نہیں کر سکتی تھی۔ عثمان نے آج سادہ شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ وہ دونوں بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

مریم کے برعکس نور، آج بھی کل کی طرح اچھی خاصی تیار ہوئی تھی۔ وہ دونوں کچھ دیر پہلے ہی پارلر سے آئیں تھیں۔ نور نے بھی سفید ڈریس ہی پہن رکھا تھا مگر مریم سے مختلف اور زیادہ کامدار۔ وہ کسی شہزادی کی سی لگ رہ تھی۔ حبیب نے آج سفید شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ وہ سفید رنگ میں ہمیشہ کی طرح آج بھی دمک سا رہا تھا۔

مہمان آج کل سے قدرے کم تھے مگر پھر بھی لان اچھا خاصا بھرا ہوا تھا۔ سب مسکرا رہے تھے۔ زیادہ تر لوگوں نے سفید رنگ ہی پہنا تھا۔ عائزہ بھی آئی ہوئی تھی اور نور کے ساتھ چپکے فوٹو گرافر سے تصویریں کھنچوا رہی تھی۔ حبیب اور عثمان کچھ دور کھڑے ہاتھ میں کافی مگز پکڑے مسکرا کر باتیں کر رہے تھے۔ ساتھ کوئی اور بھی تھا، شاید عثمان کا کوئی دوست۔

پھر آ گیا وہ وقت، جس کا تھا انتظار سب کو۔ اب گھر کے تمام افراد لاؤنج میں تھے اور باہر کو آ رہے تھے۔ باقی مہمان باہر لان میں ہی موجود تھے۔ مریم نور کا ہاتھ پکڑے باہر کو آ رہی تھی۔ نور ساتھ ہی ہنس بھی رہی تھی، اسے یہ سب بہت عجیب اور فنی لگ رہا تھا۔ مریم البتہ کچھ گھبرائی ہوئی لگتی تھی، چہرے پر کچھ مغموم سے تاثرات

تھے۔فوٹو گرافر آگے سے وڈیو بنا رہا تھا۔زرینہ،دادی جان کی وہیل چیئر پکڑے لا رہی تھیں۔

عثمان،حبیب اور سکندر باہر گاڑی کے پاس کھڑے تھے۔جنید نے اسکے سر پر قرآن پکڑ رکھا تھا۔

نور اور مریم آہستہ آہستہ باہر کو آ رہی تھیں۔پھر سامنے دروازہ آیا،جس کے باہر سب لوگ کھڑے تھے اور آگے کار پورچ اور لان کی مشترکہ سیڑھیاں بھی نظر آتی تھیں۔سب باہر مسکرا رہے تھے۔گاڑی سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی،جس میں مریم اور عثمان نے جانا تھا۔

نور نے مریم کو لئے جونہی چوکھٹ پر قدم رکھا،اس کے چہرے کے تاثرات زرا بدلے۔مسکراہٹ زرا سمٹی اور دل میں کچھ ڈوب کر ابھرا۔نور زرا رک کر دروازے کے آگے سے ہٹی تو دادی جان کی وہیل چیئر دھکیلتے زرینہ باہر کو نکلیں۔

زرینہ کے پیچھے باقی سب بھی نکلے۔نور اور مریم کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ان کے درمیان فاصلہ آ گیا تھا اور نور کو محسوس ہوا تھا۔

اب مریم،دادی جان سے آگے ہو کر مل رہی تھی۔وہ جھکی ہوئی تھی مگر اسکی آنکھوں سے بہتے آنسو واضع تھے۔نور کی نظریں بس اسکے آنسوؤں پر تھیں۔نور کی آنکھوں پر بھی گرم پانی کی ایک تہہ سی بن گئی۔مگر مسلسل اسکو دیکھنے کے باعث وہ تہہ گر

پڑی۔ سنہری آنکھوں سے موتی برس پڑے۔ پھر دادی جان نے پیار سے اسے اپنے سے جدا کیا اور اسکی گال سے آنسو صاف کئے، پھر کچھ کہا۔ مگر نور کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

"مریم جا رہی ہے؟" اسکا دل بس یہی پوچھ رہا تھا اور اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے دل کو کیسے دلاسا نما جواب دے۔

مریم اب تھوڑا پیچھے مڑ کر حلیمہ پھوپھو کے گلے لگی تھی۔ انکی بھی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ پھر انہوں نے بھی اسے خود سے جدا کر کے کچھ کہا۔

"مریم جا رہی ہے؟"

پھر مریم زرا آگے ہوئی اور زرینہ تائی کے گلے لگ گئی۔ وہ روئی نہیں، بس ہلکا سا اسے سہلایا اور پھر اسے کچھ کہا۔ شاید وہ اسے دلاسا دے رہی تھیں۔ پھر مریم ان سے جدا ہوئی۔

"مریم جا رہی ہے؟"

مریم اب زیمل اور ثناء سے مل رہی تھی۔ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں رویا۔ مگر دونوں کے چہروں پر ایک واضع اداسی سی تھی۔ ساتھ ہی جنید بھی کھڑا تھا، کچھ اداس سا چہرہ بنائے، مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔

"مریم جارہی ہے؟"

پھر وہ تھوڑا پیچھے گئی۔ دروازے کے پاس۔ جہاں نورالعرش کھڑی تھی، جس کا چہرہ مکمل بھیگا ہوا تھا۔ وہ آنکھیں بھی جھپک نہیں رہی تھی، کہ کہیں پلک جھپکے اور مریم غائب ہو جائے۔ بس ٹکر ٹکر اسے گھور رہی تھی۔ اسکی سنہری آنکھیں اسکے دل کا حال دکھا رہا تھا۔ کچھ لوگوں کی آنکھیں سب واضع کر دیتی ہیں۔

مریم اسکے قریب آئی اور اسکو گلے لگا لیا۔ نور گلے نہیں لگی۔ اسکے ہاتھ نیچے ہی تھے، جیسے وہ اب بھی تحیّر کے ایک عالم میں پھسی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ نور کے ہاتھ اس کی کمر تک آئے اور وہیں رک گئے۔ مریم نے پھر سے رونا شروع کر دیا تھا۔ اور نور۔۔ نور ایک دم پھوٹ پڑی۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی یوں سب کے سامنے۔ مگر کچھ کیفیات پر انسان کا اپنا بھی اختیار نہیں ہوتا۔

وہ روئی اور اتنا روئی کے اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ اس نے مریم کا ہاتھ تھام لیا۔ مریم زرا پیچھے ہوئی اور اسکی گالوں سے موٹے موٹے موتی صاف کئے۔ پھر بس اتنا بولی "اپنا اور دادی جان کا خیال رکھنا!" اور مڑ گئی۔ نور نے اب بھی اسکا ہاتھ ویسی ہی سختی سے پکڑ رکھا تھا، گو کبھی نہ چھوڑنے کے لئے۔ مگر مریم نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا۔ مگر دیکھی نہیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر بس ایک دفعہ بھی نور کا روتا چہرہ

دیکھ لیا تو وہ آگے قدم نہیں اٹھا سکے گی۔ وہ آگے بڑھ گئی۔ زرینہ اور دادی جان نور کے پاس آگئی اور زرینہ نے اسے گلے لگا لیا۔ سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"مریم واقعی جا رہی ہے!" دل نے خود ہی جواب ڈھونڈ نکالا تھا۔

مریم آگے جا کر سکندر کے گلے لگی اور پھر پیچھے ہوئی۔ حبیب پیچھے ہی کھڑا تھا اور عثمان گاڑی میں ہی بیٹھا تھا۔ حبیب اور مریم کی نظریں ملیں گو ایک دوسرے کو بات سمجھا لی ہو پھر مریم اندر بیٹھ گئی۔ اور حبیب کی نظریں بس نور العرش پر ہی تھیں۔ گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

یہ سوموار کا دن تھا۔ اونچے درختوں والے گھر پر خاموشی اپنے عروج پر تھی۔ جہاں دیکھو سنسانی سی سنسانی نظر آتی تھی۔ ہوائیں خاموش، درخت خاموش، پرندے خاموش، سبزہ خاموش، گھر خاموش اور پھر نور العرش بھی مکمل خاموش۔ آج مریم کو گئے ہوئے دو دن گزر چکے تھے۔ یقیناً وہ اب تک پہنچ چکی ہو گی امریکہ۔ اور سکندر، زرینہ اور حبیب کی اتوار کی شام کو فلائٹ تھی۔ وہ بھی چلے گئے تھے۔ سکندر نے شادی کے تمام معاملات ختم کر دئے تھے اور دادی جان اس بات پر پُر سکون تھیں۔ دادی جان اور نور العرش میں دو دن سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اگر دادی جان کچھ کہتیں بھی تو نور جواب نہیں دیتی۔

مریم کے جانے بعد نور بس دادی جان کے کمرے میں ہی تھی۔وہ بس بیڈ پر پڑی رہتی اور آنکھوں سے زرازرا دیر بعد چند آنسو ٹپک پڑتے۔اس نے کبھی سوچ بھی نہیں تھا کہ مریم اسکی زندگی کا اتنا اہم حصّہ ہے۔وہ کچھ کچھ دیر بعد موبائل اٹھا لیتی اور مسج کا فولڈر کھول لتی کہ کہیں مریم کا کوئی مسج نہ آیا ہو۔اسے بخار بھی تھا ہلکا ہلکا اور دادی جان اسے دوائی بھی دے دیتیں جو وہ بنا کچھ کہے ہضم کر لیتی۔

زندگی بدلنے میں لمحے بھی نہیں لگتے۔اور نور کو محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

روز کی طرح آج بھی شہر پر ایک خوبصورت سورج نکلا۔روشن اور تروتازہ۔نور مریم کے بستر پر لیٹی پڑی تھی۔وہ بس نظریں چھت پر ٹکائے اوپر ہی دیکھ رہی تھی۔اب وہ کافی بہتر ہو گئی تھی۔وقت انسان کے غموں کو ہلکا کر دیتا ہے۔شاید اسکی جگہ کوئی اور ہوتا تو کبھی ایسے ری ایکٹ نہ کرتا۔مگر وہ نور العرش تھی،وہ ان لوگوں میں سے تھی جنہوں نے اپنی زندگی میں بس چند گنے چنے لوگوں کی ہی جگہ بنا رکھی ہوتی ہے اور وہ اس جگہ کو ہمیشہ پُر ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔اور جب وہ جگہ زرا خالی ہوتی ہے تو وہ لوگ ہل کر رہ جاتے ہیں۔

وہ گزرے ہر پل کو اوپر چھت کی سفیدی میں کریدر ہی تھی کہ شاید کوئی پل ایسا رہ گیا ہو جس کو اس نے ابھی پوری طرح نہ سوچا ہو۔اپنوں کی محبت ایسی ہی ہوتی

ہے، پریشان کرتی ہے۔اپنوں کے ساتھ بتایا وقت بہت جلدی گزر جاتا ہے اور گزرنے کے بعد بہت یاد آتا ہے۔ پھر انسان چاہتا ہے کہ دوبارہ وہ لمحے جیئے، شروع سے، مگر وقت لوٹتا کہاں ہے۔

اسکے خیالوں سے اسے ایک آواز نے نکالا۔وہ اسکے موبائل کی ٹون تھی۔وہ جانتی تھی یہ دادی جن کی کال ہی ہو گی۔وہ اسے نیچے بلانا چاہتی ہو نگی۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی وہ بس ایک ہی دفعہ کال کریں گی، اگر نور آنا چاہتی ہو گی تو آجائگی ورنہ کال ویسے ہی بند ہو جائگی اور دادی جان ملازم کو بھی نہیں بھیجیں گی۔ مگر وہ غلط تھی۔ موبائل کی ٹون دوبارہ بجی۔ مگر اسنے نہیں اٹھائی۔ پھر دوبارہ اور اس بار اسنے اٹھا کر دیکھ ہی لی۔وہ مریم کی کال تھی۔

اسے کال اٹھانے میں چند لمحے لگے تھے۔وہ اسکا نام دیکھ کر شش سی ہو گئی تھی۔ سوچنے لگی کیا بات کرے گی۔ جیسے ساری دنیا کی باتیں ہی ختم ہو گئی تھیں۔

"اسلام علیکم!" نور نے خلافِ عادت سلام میں پہل کی تھی۔

"وعلیکم اسلام!" مریم کی پرجوش سی آواز آئی تھی۔نور نے کچھ بھی نہیں کہا، اور بس ایک ہی لمحے بعد مریم خود ہی بول پڑی۔

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک! تم؟"

"بہت اچھی!" نور کو اسکی پر جوش آواز بلکل اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ بھی خفہ ہو۔ انسان ایسا ہی ہوتا ہے، جب خوش ہوتا ہے تو ساری دنیا کو خوش دیکھنا چاہتا ہے اور جب خفا ہو تو ساری دنیا کو اداس دیکھنا چاہتا ہے۔ دونوں کچھ دیر خاموش ہی رہے۔ اس دفعہ مریم کی خفا خفا سی آواز نکلی۔ وہ نور کی سانسوں کو پرکھ سکتی تھی۔

"تم کیوں اداس ہو؟"

"نہیں، میں بلکل بھی اداس نہیں ہوں! تم خوش ہو؟"

"نہیں!"

"کیوں عثمان بھائی اچھے نہیں ہیں کیا؟" اسکا انداز ایک دم بدلا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ جب میری بہن اداس ہو گی تو میں کیسے خوش ہو سکتی ہوں؟"

"میں اداس نہیں ہوں۔ صرف کال پر ایسا لگ رہا ہے۔"

"میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں نور!" وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

نور کی آنکھوں میں پانی سا آگیا۔

"آئی میس یو! آئی مس یو سو سو مچ!!" آواز رندھ گئی۔

"آئی لو یو، میری جان! تم ایسے رو گی، تو سوچو یہاں میرا کیا حال ہو گا۔ یہ سب نئے لوگ، نئے رشتے، نئی جگہ، نئے رویّے، یہ سب بہت عجیب لگتا ہے مجھے۔ میری بہن کے بغیر اس دنیا سے سارے رنگ ختم ہو گئے ہیں۔" اسکی بھی آواز رندھ گئی۔

"نہیں تم۔ تم مت رو نا، پلیز!" نور تڑپ کر بولی۔

"کیسے نہ روؤں؟ تم بھی تو رو رہی ہو۔ یہ بھی نہیں سوچ رہی کہ تم رو گی تو میں کیسا فیل کروں گی۔ دادی جان سے بھی تم بلکل بات نہیں کر رہی۔ میرا دل بہت دکھ رہا ہے۔"

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ سب کچھ اتنا جلدی سیٹل اَپ تو نہیں ہوتا نا۔ آئی نیڈ ٹائم!"

"نور! لو تم۔ بے شک پورا ٹائم لو۔ لیکن زندگی میں موو آن کرنا سیکھو۔ میں بھی تو یہی کر رہی ہوں نا۔ میں بھی موو آن کر رہی ہوں۔ مگر تمہاری ایسی رندھی ہوئی آواز میری ٹانگیں کھینچ رہی ہے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"نہیں، نہیں، میں اب پوری کوشش کروں گی۔ لیکن۔۔ لیکن، آئی رئیلی مِس یو!"

"می ٹو!" مریم پیار سے بولی۔ "اب نیچے جاؤ، اور دادی جان کے ساتھ ٹائم سپینٹ کرو۔ یونی جانا شروع کر دو اور اپنی روٹین سیٹ کرو۔ او کے؟"

"اوکے!" وہ اٹھ بیٹھی۔اسکا دل اب کافی ہلکا اور بہتر ہو گیا تھا۔

کچھ دیر اور بات کی اور پھر کال بند کر دی۔

☆☆☆

یادِ ماضی کی ایک جھلک۔۔

8 برس قبل:

دوحہ پر ایک اداس سی شام اتری ہوئی تھی۔سمندر کی لہریں تیزی سے اچھل کود رہی تھیں۔سورج ڈوب رہا تھا۔گرمی تھوڑی کم تھی، مگر تھی ضرور۔

العالم تحت العرض خاموشی میں ڈوبا تھا۔اور یہاں لوگ بھی آج کے 'العال تحت العرض' کے مقابلے قدرے کم تھے۔محل نما گھر بھی آج کی طرح چمکتا دمکتا نہیں تھا۔مگر اندر روشنیاں ویسی ہی تھیں۔تیز۔شام کا وقت تھا اور سب تقریباً گھروں میں ہی تھے۔بس کچھ ہی باہر تھے، اور کچھ کھانے والے کمرے میں بیٹھے کھا، پی رہے تھے۔

تبھی اوپر کو آؤ تو آفس نما کمرے کے اندر شور مچا ہوا تھا۔کمرے میں بس عبدالرزاق اور ایک کم عمر لڑکی تھی۔

"تم! عبدالرزاق، تم! تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا! تم نے مجھے برباد کر دیا! تم۔۔" چیخ چیخ کر بولی۔رونے کے باعث جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔

"میری بچّی ! میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ! میں نے تم پے بس احسان۔۔"عبدالرزاق بے بسی سے بولا۔

"احسان مائی فوٹ ! ! "گلا پھاڑ کر چلائی۔

"کیا برا کیا ہے میں نے تمہارے ساتھ ؟ کس چیز کی کمی۔۔؟"

"کس چیز ! ؟ چیز ! ؟(اسکی آواز رندھ گئی)عبدالرزاق تمہارے لئے ہر رشتہ، ہر احساس، ہر وجود چیز کیوں ہوتا ہے ؟ تم ہر شے کو 'چیز' کیوں بنا دیتے ہو ؟ مجھ سے میرے ماں باپ چھین لئے تم نے ! میرے احساسات چھین لئے ! میری طاقتوں کا غلط استعمال کروایا ! تم۔۔تم اس دنیا میں سب سے برے آدمی ہو۔سب سے برے ! "وہ اب زمین پر گر سی گئی تھی اور چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے ہلکورے لے لے کر رو رہی تھی۔

عبدالرزاق بھی نیچے کو بیٹھ گیا۔اس سے جیسے اسے روتا ہوا دیکھنا قطعاً برداشت نہ ہوا۔اس نے لڑکی کے چہرے سے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔

"بس کرو رونا، نتاشہ ! میں مانتا ہوں میں بہت برا۔۔"نتاشہ نے اس کا ہاتھ زور سے جھٹکا۔

"ہاتھ مت لگانا تم مجھے، گھٹیا انسان ! "وہ چلائی۔

"میں نے تمہے تمہارے باپ کی طرح۔۔بلکہ اس سے بھی اچھے طریقے سے پالا۔تمہارا خیال رکھا، تمہیں کبھی کسی چیز کے لئے نہیں ترسایا۔کبھی تمہیں نہیں رلایا۔تم سے ہمیشہ محبت کی۔اور آج میں گھٹیا ہو گیا؟"اسے رنج ہوا تھا۔

"تم نے یہ سب محظ میری طاقتوں کے لئے کیا!"

"تمہاری طاقتیں! ہونہہ! تمہاری طاقتوں کا میں نے کیا کرنا تھا۔مجھے تمہاری طاقتوں کی کیا ضرورت تھی بھلا؟ کیا مجھے تمہاری طاقتوں سے اپنی حفاظت کروانی تھی یا پھر تمہارے ذریعے سے اپنے لئے کسی سے لڑنا تھا؟ کیا کرنا تھا مجھے ان سے؟"

"تم نے یہ سب صرف اس آنی جنگ کا سردار۔۔"

"کیا تمہاری طاقت کے بغیر وہ جنگ نامکمل تھی؟اور جو نیچے باقی بیٹھے ہیں۔ان کے پاس بھی تو طاقتیں ہیں۔"

"تم نے ہم سب سے جھوٹ بولا۔ہم سب کو اپنی باتوں میں پھسایا اور اپنے پاس رکھا۔یوں جیسے کہ تم ہمارے مسیحا ہو اور ہم تمہارے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔جیسے ہم تمہارے بغیر مر جائیں گے۔مگر نہیں! نہیں عبدالرزاق! کوئی کسی کے بغیر نہ مرتا ہے۔کیا جن کے پاس یہ طاقتیں نہیں ہیں وہ مر گئے ہیں؟ یا جن کے پاس طاقتیں تھیں مگر انکے اختیار میں نہیں تھیں، کیا انہوں نے اپنی زندگی پوری نہیں کی؟"

"تم جاؤ آرام کرو! سکون سے۔۔"

"اس جگہ پر تو اب میرے لئے سانس بھی لینا دشوار ہے اور تم کہہ رہے ہو!!" بات مکمل نہیں کی۔

عبدالرزاق کے زہن میں خطرے کی تیز تیز گھنٹیاں بجنے لگی۔

"کیا۔۔مطلب؟"

"میں جا رہی ہوں! وہیں جہاں سے تم مجھے لائے تھے۔ جہاں سے یہ کہانی شروع ہوئی ہے۔اپنی ماں کے پاس۔ میرے باپ کو تو تم نے مار ہی دیا مگر شکر اللہ کہ میری ماں زندہ ہے اور میں اسے دیکھ پائی ہوں۔ میں جا رہی ہوں، عبدالرزاق حیدر عثمانی!" عبدالرزاق پر تو بجلیاں آ گریں۔ وہ جانے کے لئے مڑی مگر عبدالرزاق نے تیزی سے اسکا ہاتھ کس کر پکڑ لیا۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔ عبدالرزاق کا چہرہ رنج میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسکے دل میں کچھ ڈوبا۔ مگر چہرہ ویسے ہی سخت تھا۔

"تم میرے زندگی بھر کے احسانوں کا اس طرح بدلہ نہیں دے سکتی نتاشہ بیٹی! میں نے تمہے یہ کبھی نہیں سکھایا تھا۔"

"تم نے مجھے بس وہ سکھایا جس سے میری زندگی برباد ہو گئی۔ تم نے مجھے لڑنا سکھایا۔ تم نے مجھے مارنا پیٹنا سکھایا۔ تم نے مجھے ہتھیاروں کا استعمال سکھایا۔ تم نے مجھے دھوکا دینا سکھایا۔ تم نے مجھے نفرت کرنا سکھایا۔ تم نے مجھے قاتل بننا سکھایا۔ تم نے مجھے میری طاقتوں پر قابو کرنا سکھایا۔ مگر عبدالرزاق حیدر عثمانی! تم نے مجھے کبھی محبت کرنا نہیں سکھائی۔ میں تم سے کبھی محبت نہیں کروں گی۔ میں تم پر ترس نہیں کھاؤں گی۔ میں رکوں گی نہیں!" اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

عبدالرزاق کی پکڑ بے حد مضبوط تھی۔ وہ اپنا ہاتھ نا چھڑا سکی۔ اس نے چہرہ اٹھایا اور اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔

اور عبدالرزاق تیزی سے اڑتا ہوا پیچھے کو جا گرا۔ نتاشہ نے ناچاہتے ہوئے اور دل پر ایک بہت بھاری پتھر رکھ کر یہ قدم اٹھایا تھا۔ مگر چہرہ سخت ہی تھا۔ اسکا نا صرف اپنی طاقتوں پر بلکہ اپنے چہرے کے تاثرات پر بھی پورا اختیار تھا اور یہ بھی اس نے عبدالرزاق سے ہی سیکھا تھا۔

"عبدالرزاق! تمہارے تمام 'تمہارے بقول' احسانوں کا بس ایک ہی بدلہ چکاؤں گی کہ کسی اور کو نہیں بتاؤں گی اس جگہ کا، نہ ہی اس بات کا تم ان سب کے خاندانوں کو مار کر انہیں یہاں تک لائے ہو۔ تم نے زندگیاں برباد کر دیں ہیں۔ سوچو تم خود کتنے برباد

ہو؟" کہہ کر وہ وہاں سے نکل گئی۔اور آخری بات نے تو عبدالرزاق کو سمندروں میں ڈبو دیا۔

باہر نکل کر اسکے چہرے پر کوئی آنسو کوئی غم کے آثار نہ تھے۔وہ مطمئن تھی۔اپنے آپ سے۔اپنے فیصلے سے۔

نیچے سب اسے جاتا دیکھتے رہے، مگر کسی نے کچھ نہیں کہا۔کوئی کچھ نہ جانتا تھا کہ اوپر کمرے میں کیا ہوا تھا؟ کسی کو پرواہ تھی بھی نہیں۔وہ چلتی چلتی آگے گئی اور پھر باہر نکل گئی۔راہداری کے بلکل آخری کونے میں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا، وہ وہیں سے نکلی تھی۔وہاں دو لڑکے بھی کھڑے گپ شپ کر رہے تھے مگر کسی نے اسے نا روکا۔کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ وہاں سے، واپس نہ آنے کے لئے نکل رہی ہے۔

نتاشہ کے نکلنے کے بعد نورا فوراً کمرے میں داخل ہوئی۔

"کیا کہا اس نے؟ کہاں تھی وہ دو دن۔۔؟" سوال ادھورا ہی رہ گیا۔

اور وہ وہیں ٹھٹک کر رہ گئی۔عبدالرزاق زمین پر گرا بیٹھا تھا۔اور وہ رو بھی رہا تھا۔

نورا کے تو وجود سے جان تک نکل آئی۔اس نے پہلی بار عبدالرزاق کو روتے دیکھا تھا۔

"عبدل! عبدل! کیا ہوا تمہے؟ کدھر ہے نتاشہ؟" وہ تیزی سے عبدالرزاق تک آئی اور آرام سے نیچے کو جھکی۔ ہڈیوں میں ہلکا سا درد بھی ہوا مگر اگر انسان خود کو نورا کی طرح طاقتور بنالے تو کوئی درد، اسے تکلیف نہیں دے سکتا۔

"وہ چلی گئی! وہ چلی گئی، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے! وہ چلی گئی!" وہ رنج سے کہنے لگا۔ جیسے اب تک حیران سا ہو۔

"کہاں گئی ہے وہ؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"اپنے گھر، جہاں سے وہ آئی تھی۔" نورا تو ٹھٹک کر رہ گئی۔

"تم۔۔ تم مجھے بتاؤ۔۔ مجھے بتاؤ میں اگلے ہی لمحے اسے وہاں سے لے آؤں گی۔ مجھے بتاؤ وہ کہاں رہتی ہے؟"

"نہیں!" وہ رندھی آواز میں بولا۔ نورا چونک کر رہ گئی۔

"کیا؟"

"نہیں! اسے وہیں رہنے دو۔ وہ۔۔ وہ وہاں خوش رہے گی! اسے خوش رہنے دو! وہ وہیں کی ہے۔"

نورا نے پھر کچھ نہیں کہا۔ بس اندھیر چہرہ لئے اٹھ گئی اور ٹھٹکی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ اسے لگا آج اس نے عبدل کو کمزور ہوتے دیکھا تھا۔ کیا وہ اسکی کمزوری تھی؟

اب:

"عبدل کیا سوچ رہے ہو؟"نورا کی آواز نے اسے خیالات کی چادر سے نکالا۔

"ہا۔ہاں؟نن۔نہیں!کچھ نہیں!بس یونہی۔"وہ گڑبڑا کر خیالات سے نکلا۔

"نتاشہ یاد آرہی ہے؟"نورا پوچھ پڑی۔

"کیسے پتا؟"وہ مسکرا کر پوچھا۔

"کیونکہ صرف اسی کی یاد میں تمہاری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔"عبدالرزاق چونکا۔اسے تو محسوس بھی نہیں ہوا تھا کہ اسکی آنکھوں میں آنسو ہیں۔

"ہاہا!"ہلکہ سا گلٹ سے ملا جلا قہقہہ،ہنسا۔"آٹھ سال،دو ماہ اور آج تیسرا دن ہے!وہ ،میری بیٹی تھی،میری جان تھی"

"ہم سب کو پیاری تھی وہ۔ہم سب کو!"کہہ کر نورا عجیب سی ہنسی اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔

چال میں بڑھاپے کے باعث لنگڑاہٹ تھی مگر آواز اب بھی مستحکم۔

☆☆☆

آج کے دولۃ قطر میں آؤ تو وہاں تیز گرمی اور دوپہر کا وقت تھا۔سورج آسمان پر اپنی پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔البتہ زمین کے نیچے گرمی نہیں تھی۔ٹھنڈ بھی نہیں

تھی بس نارمل سا ماحول تھا۔ جگہ جگہ سوراخ کر کے اوپر کی دنیا سے چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں نکالی گئی تھیں، جن سے باہر کی ہوا اندر کو آتی تھی۔ یہ تمام کھڑکیاں ایسی جگہوں سے نکالی گئی تھیں، جہاں کسی انسان کا آنا جانا نہیں تھا۔ سو ان کھڑکیوں سے انہیں کوئی خطرہ بھی نہیں تھا۔

اب محل نما گھر کے اندر آؤ تو لوگ ادھر ادھر پھرتے، پھدکتے، اچھلتے، کودتے، ایک دوسرے سے ہم کلام نظر آتے تھے۔ پھر پریکٹس والے کمرے کے اندر آؤ تو دیکھو کہ وہاں بھی گروہ در گروہ لوگ کھڑے ہیں۔ سب ایک دوسرے کو باری باری اپنی اپنی طاقتیں اور اپنے اپنے کرتب دکھا رہے ہیں۔

کوئی کسی کو ہوا میں اٹھائے ہوئے ہے اور کوئی تلواروں سے لڑ رہا ہے۔ کوئی بھاری بھر کم چیزوں کو ہلا ہلا کر دکھا رہا ہے اور کوئی بس اپنی نظروں سے چیزوں کو ادھر سے ادھر کر رہا ہے۔ کوئی کسی کو اپنا خون نکال کر اپنے 'سیلز' تیزی سے دوبارہ ریجنریٹ ہوتے دکھا رہا ہے تو کوئی اپنی آنکھوں سے دور دور کی چیزیں بھی لوگوں کو دکھا رہا ہے۔ کوئی کسی دوسرے کا دماغ قابو کئے ہوئے ہے تو کوئی دوسرا کسی کا دماغ پڑھ کر دکھا رہا ہے۔

انہی لوگوں میں ایک گروہ کے درمیان عالیان بھی نظر آتا تھا۔وہ بھی اپنے گرد تین لڑکوں اور ایک لڑکی کو لئے کرسی پر بیٹھا تھا۔ان سب لڑکے لڑکیوں کے ہاتھوں میں مختلف اشیاء تھے۔

"اوکے،اب تم مجھے بتاؤ کہ یہ سیب۔۔اس سیب کے ساتھ کیا ہوا ہے اور یہ یہاں کیسے آیا؟"لڑکی نے ایک سیب عالیان کے ہاتھ میں تھمایا۔عالیان نے سیب ہاتھ میں پکڑ لیا۔اور آنکھیں بند کر لیں۔

"اس سیب کے بیج ایک۔۔عربی آدمی نے بوئے ہیں،جو کہ 'امّ صلال محمد'(شہر کا نام)میں رہتا تھا۔اسکا۔۔اسکا ایک باغ تھا۔جس میں اس نے سیب اور کھجوریں اگا رکھی تھیں اور۔۔اور اسکے باغ میں اسکا۔۔اس کا قتل کر دیا گیا۔اور یہ فصل کسی اور۔۔"ارد گرد کھڑے چاروں کی مسکراہٹیں تھم سی گئیں۔

"اوہ اللہ!مجھ سے نہیں ہو گا۔"عالیان نے تیزی سے آنکھیں کھولیں۔

"اللہ اللہ!تم کیوں خفا ہو رہے ہو؟تم نے تھوڑی اسکا قتل کیا تھا۔"لڑکی بولی۔

"اچھا یہ چھوڑو اب آگے بھی تو بتاؤ کہ یہاں کون لایا تھا۔"ایک دوسرا لڑکا بولا۔

"اوکے ! میں پھر ٹرائی کرتا ہوں۔ کوشش کرتا ہوں کہ اب تھوڑا آگے کا وقت دیکھوں۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سیب کو دونوں ہاتھوں کا جال بنائے جکڑا ہوا تھا۔

"سعد۔۔ سعد بن عبداللہ اور۔۔ اور بلال بن عبداللہ۔ اور ویلیم آرنلڈ۔۔ سوق واقف (بازار کا نام) کی ایک بڑی شاپ سے چن رہے ہیں۔۔" باقی چاروں ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھے۔ یہ سیب واقعی ہی وہ تینوں لائے تھے۔ یعنی وہ اپنی طاقت کا ٹھیک سے استعمال کر رہا تھا۔

"اور۔ اور (وہ آنکھیں میچ کر غور کر رہا تھا) پھر جب وہ لائے تو راستے سے سامان والے بیگ سے تین سیب زمین پر گر گئے اور۔ اور اس (چہرے پر زرا حیرانی آئی۔ جیسے کچھ یقین نہ آ رہا ہو) سیب کو فوٹ پاتھ پر ایک بلّی نے؟!؟"

"چھیں ! !" فوراً سے ہاتھ کھولا اور سیب ہاتھ نے نکالا۔

"کیا ہوا؟"

"یہ سیب ایک بلّی نے چاٹا اور وہ اس سے چھین کر۔۔ چھیں ! !۔۔ چھین کر بیگ میں ڈال کر لے آئے۔" باقی چاروں نے بھی "چھیں اور یک" جیسے الفاظ زبان سے نکالے۔

پھر ایک دوسرے کو دیکھا اور پانچوں بے اختیار قہقہہ مارے ہنسے۔

طاقتیں مزے دار بھی ہو سکتی ہیں!

پھر ایک دم چیخ کی آواز آئی تو سب نے منہ موڑ کر بائیں جانب دیکھا تو وہاں ایک لڑکا زمین پر گرا پڑا تھا اور اسکی ناک سے بے اختیار خون بہے جا رہا تھا۔ سب تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔

مگر طاقتیں خطرناک بھی ہو سکتی ہیں!

تبھی ایک لڑکی دوڑتی ہوئی اسکے قریب آئی اور پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر لڑکے کی ناک کے نیچے اپنا ہاتھ رکھا اور خون کا راستہ زرا کو روکا۔ پھر اپنی آنکھیں اسکی ناک سے نکلتے زرا زرا خون پر روک دیں اور آہستہ آہستہ گرتا خون تھم گیا۔ لڑکی نے ہاتھ ہٹایا۔ اسکا ہاتھ تقریباً سرخ ہی ہو گیا تھا۔ جیب سے رومال سا نکالا اور بجائے اپنا ہاتھ صاف کرنے کے، اس نے اسکی ناک اور ہونٹ پر لگا خون پہلے صاف کیا۔ لڑکے کے آنکھوں میں زرا زرا سے آنسو بھی پڑے تھے۔

طاقتیں تکلیف دہ بھی ہو سکتی تھیں!

عالیان دنگ سا بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ کیا انجان لوگ بھی ایک دوسرے کے ساتھ ایسے ہو سکتے ہیں؟ اگر ان خاص لوگوں کی طرح کے جذبے عام لوگوں میں بھی آجائیں تو دنیا اور زندگی کتنی آسان ہو جائگی نا؟ مگر پھر جہنّم کیوں بنائی گئی ہے؟

کیا یہ خاص لوگ ان عام لوگوں سے اچھے نہیں ہیں، جن کے ساتھ اسنے اپنی زندگی کے 15 سال بتائے ہیں؟ اس نے سوچا۔ اس نے تو اپنی گزری زندگی ان لوگوں کے ساتھ گزاری ہے جو کسی خاص کو اپنے ساتھ برداشت نہیں کر سکتے۔ جوہر 'ایکسٹرا کوالٹی' رکھنے والے شخص کو 'پاگل! پاگل!' کہہ کر اسکی طاقت، اس کی خاصیت دبانا چاہتے ہیں، تاکہ وہ بھی عام ہو جائے۔ اس نے سوچا۔

انسان کو دوسروں کو 'ایکسٹرا کوالٹی' کے ساتھ اپنانا سیکھنا چاہیے۔ کیونکہ ہر انسان کے پاس ایک ایکسٹرا کوالٹی ضرور ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ لوگ اپنی 'ایکسٹرا کوالٹی' کو اپنی خامی سمجھتے ہیں اور دوسروں کی 'ایکسٹرا کوالٹی' کو بھی ان کی خامی دکھا کر اسکو بھی دبانا چاہتے ہیں۔ ہم انسان بہت برے جج ہوتے ہیں!

☆☆☆

دن گزرتے گئے۔ ہوا میں تحلیل ہوتے گئے۔ روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اڑتے گئے۔

مارچ کا مہینہ ختم ہونے کو تھا۔ گرمی قدرے بڑھ گئی تھی۔زندگیاں آگے بڑھ گئی تھیں۔اب مڑ کر دیکھو تو پچھلے دن کسی الگ دنیا میں گزرے لگتے تھے۔دن آہستہ آہستہ لمبے ہونا شروع ہو گئے تھے۔انسان کی نفسیات بھی اب لمبے دنوں کی عادی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

وقت آگے بڑھ گیا تھا۔مہینے آگے بڑھ گئے تھے۔نظامِ کائنات آگے بڑھ گیا تھا۔دنیا آگے بڑھ گئی تھی۔مگر پھر ساتھ ہی اونچے درخت والے گھر کے لوگ بھی آگے بڑھنا سیکھ چکے تھے۔

آج نورالعرش دادی جان کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی ٹی-وی دیکھ رہی تھی۔آج ایک مہینے بعد وہ دونوں یوں لاؤنج میں آکر بیٹھے تھے۔لمحہ بھی نہیں لگتے زندگیاں بدلنے میں مگر ان کا عادی ہونے میں بہت وقت لگتا ہے۔دادی جان کے ہاتھ میں سوئی اور گوٹ تھی اور وہ کچھ بن رہی تھیں۔نور نیوز لگا کر بیٹھی تھی، مگر ہاتھ میں موبائل بھی چلا رہی تھی۔

نیوز چینل پر دو آدمی بیٹھے کسی بات پر تبصرہ کر رہے تھے۔نور نے موبائل بند کیا اور لیپ ٹاپ کھول لیا۔پھر مریم کی شادی کی پکچرز جو دو ہفتے پہلے ہی فوٹو گرافر نے بھجوائیں تھیں، دیکھ رہی تھی۔ہر تصویر کو دیکھ کر چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے

چہرے پر در آتی۔اسے ہر ایک ایک لمحہ یاد آتا۔پرانے دن یاد کر کے پیٹ میں جیسی خوشی کا احساس ہوتا ہے،اسے بھی ویسا ہی ہو رہا تھا۔

پھر اسے ان لمحوں میں موجود لوگ یاد آئے۔مریم، عثمان، حبیب، سکندر، زرینہ، حلیمہ، ثناء، زیمل اور جنید۔اور ایک وہ خود۔جسے ایک مہینے سے زیادہ لگا،اس زندگی میں واپس آنے میں جسے وہ چند مہینے پہلے گزارا کرتی تھی۔بس فرق اتنا تھا کہ اب لوگ گھٹ گئے تھے، مصروفیات بدل گئی تھیں اور دن لمبے ہو گئے تھے۔اسے وہ سارے لمحے یاد آئے۔آنکھ کی پتلی پر سائے لہرائے۔۔

مریم کا نکاح ہو رہا تھا اور اس کے ہاتھ تذبذب سے کانپ سے رہے تھے اور وہ اسکے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دے رہی تھی۔پھر مریم سے زور سے گلے مل رہی تھی، مریم کے آنسو صاف کرتے ہوئے۔اور پھر مریم کے رخصت ہونے پر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اپنا آپ نظر آیا۔

پھر منظر بدلا۔لوگ بدلے۔

وہ اور حبیب فوڈ سٹریٹ میں کھڑے تھے اور وہ ابھی شروع کے سٹالز میں سے کسی ایک پر موجود تھے۔وہ بار-بی-کیو کا سٹال تھا اور وہ پلیٹ بنوا رہی تھی۔حبیب اس کے پیچھے کھڑا تھا۔حبیب نے جوں ہی چکھا تو بگڑی سی اور معصوم سی شکل بنالی۔

"اس میں تو بہت مرچیں ہیں۔" حبیب نے معصومیت سے آنکھیں میچیں تھی۔اور نور تلخ سی شکل بنا کر بولی تھی۔

"زیادہ انگریزی گڑیا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ویلکم ٹو پاکستان!"

وہ اپنی ہی کہی بات پر ہنسی۔اسے اُس وقت تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ ایک دن وہ اس لمحے کو یاد کر کے یوں ہنسے گی۔

پھر وہ اور حبیب سڑک پر چلتے نظر آئے۔رات کے اندھیرے میں۔تاریکی میں۔وہ ایک بورڈ کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی اور حبیب نے اسے چلنے کو کہا اور وہ بھاگ کر اسکی طرف آئی۔

وہ اور حبیب کارٹونز کے بارے میں بات کر رہے تھے۔پھر حبیب نے اس سے اسکے پسندیدہ کارٹون کے بارے میں پوچھا اور وہ آنکھیں مزے سے میچ کر اسے بتانے لگی۔

"میرا نہ۔۔اوہ مائی گاڈ!!۔۔میرا سب سے فیورٹ۔۔ٹینگلڈ ہے۔" پھر رکی اور خوشی سے بولی۔"یونو، رپونزل!۔۔میرا بہت بڑا ڈریم ہے کہ میں بھی رپونزل کی طرح اپنی کہانی کے انت میں اپنے ہیرو کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھی ہوؤں اور اوپر آسمان پر لینٹنز (قندیلیں) اڑ رہی ہوں اور گہرے پانے کے درمیان، رات کے وقت ان لینٹنز نے روشنی بکھیری ہو۔کتنا۔۔اومائیگاڈ!!۔۔کتنا پیارا منظر ہو گا نا؟"

حبیب ہنس دیا مگر بس ہلکا سا۔اور اسے وہ اس وقت بہت پیارا لگا تھا۔

پھر اسکی آنکھوں پر آخری امر رات کا سایہ لہرایا۔وہ رات جس نے بہت کچھ بدل دیا تھا۔

وہ دونوں خاموشی سے چل رہے تھے۔دونوں میں زرا زرا بات ہوتی پھر خاموشی بیچ میں آجاتی۔پھر اس بار رحبیب بولا تھا۔

"نور!"

نور نے "ہوں؟" کیا۔

"ایک دن آئیگا، تم یہ دن بہت یاد کرو گی!" زرا کو رکا۔وہ مسکرا کر سن رہی تھی۔وہ جانتی تھی۔"تم ہم سب کو بہت یاد کرو گی اور ان دن اور ان راتوں کو یاد کیا کرو گی، نور العرش!" وہ ہلکا سا مسکرایا تھا، یا شاید نور کو ایسا محسوس ہوا تھا۔

اس نے صحیح کہا تھا۔وہ دن آگیا تھا یا شاید روز آتا اور پھر گزر جاتا۔وہ روز ان دنوں اور ان راتوں کو شدّت سے مس کرتی تھی۔ان لوگوں نے اس پر ایک عجیب سا اثر چھوڑا تھا جو کبھی ختم نہیں ہو سکے گا، نور کو لگا۔وہ یونہی اور یادیں بھی تازہ کرتی مگر دادی جن نے اسے اسکے خیالوں سے کھینچ نکالا۔

"دیکھو! اس طرح کے نقالوں سے ہوشیار رہا کرو۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔

"جی؟"اسے سمجھ نہیں آئی۔

"تم سن نہیں رہی؟"

"نہیں،میرا دھیان کہیں اور تھا۔"ساتھ مسکرا پڑی۔

"یہ بتا رہے ہیں کہ ایک چند لڑکوں نے لڑکیوں کو فیک میلز بھیج کر،انکی ڈیوائزز ہیک کر دیں۔مگر لڑکیوں کو شکر ہے جلد ہی پتہ لگ گیا اور انہوں نے سائبر کرائم میں رپورٹ کر کے میلز ٹریز کروالیں اور مجرم لڑکے پکڑے گئے۔"دادی جان اسے بتانے لگیں۔نور کی آنکھیں حیرانی سے پھیلیں۔

"کیسی میلز؟"وہ زرا اٹھک کر پوچھی۔

"بڑے بڑے اداروں کے نام استعمال کر کے میلز کرتے تھے۔اور ڈسکرپشن میں لنکس دے دیتے تھے،اور جب لنک پر کلک کرو تو وہ ایمپٹی(خالی)ہوتا تھا۔مگر ساتھ ہی ان کی ڈیوائزز ہیک ہونا شروع ہو جاتی تھیں۔"اور نور العرش تو گو پتھر کا بت بن کر رہ گئی۔

"American Sociological Association"اس کے دماغ میں بس یہی تھا۔

☆☆☆

جنوری کے پہلے ہفتے کی ایک رات:

رات گہری ہو رہی تھی۔ بادل اب بھی سیاہ آسمان پر منڈلا رہے تھے۔ گھر کی تمام بتیاں بجھی تھیں سوائے مریم کے کمرے کے۔ نور کے بلند بانگ قہقہوں کی آوازیں کمرے کے باہر بھی سنائی دے رہی تھیں۔

نور، مریم کے بیڈ پر اس کے ساتھ بیٹھی تھی اور مسلسل اسے چڑائے جا رہی تھی۔ سکندر اور زرینہ نے ان دونوں کے رشتے کی بات کی تھی اور نور کو یہ بات بہت محظوظ کر رہی تھی کہ اسکی بہن کی شادی ہو رہی ہے۔ مریم اس کے چڑانے سے اکتا گئی تھی اور اسے دفعان کرتے سونے کیلئے لیٹ گئی۔ نور البتہ اب بھی ہنسے جا رہی تھی۔

پھر اس کے موبائل پر ایک ٹون بج جو عموماً میل آنے پر بجتی ہے۔ اس نے میل کھولی۔

American Sociological Association یعنی ASA کی طرف سے تھی۔ وہ

دنیا کی سب سے بڑی سوشیولوجی آرگانائزیشن ہے جو دنیا بھر میں سوشیولوجی کو پروموٹ کر رہی ہے۔ (American Sociological Association)

New Era Magazine

اس کا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔اتنی بڑی آرگانائزیشن اسے کیوں میل کر رہی ہے؟اس نے جلدی جلدی میل کھولی۔

میل پڑھنے کے بعد،وہ کافی دیر تک سکتے میں رہی۔ میل کے نیچے ایک لِنک سا دیا گیا تھا جس سے فارم ڈاؤنلوڈ کر کے فل کیا جا سکتا تھا۔اسے آرگانائزیشن کی طرف سے جاب کی آفر آئی تھی۔وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اپنے بستر پر بیٹھتے ہی اس نے دو بار پھر وہی میل پڑی کہ کہیں فیک تو نہیں مگر خوشی اتنی تھی کہ پڑھا بھی نہیں جا رہا تھا۔اس نے جلدی سے نیچے بنے لنک پر کلک کیا۔ایک فارم سا ڈاؤنلوڈ ہوا۔اس نے جلدی سے کھولا مگر وہ خالی تھا۔

اس نے برا سا منہ بنایا اور فارم دوبارہ بھیجنے کی درخواست کی۔

لمحے بھر کو دل میں خیال آیا کہ جا کر مریم کو بتائے، مگر پھر اس گمان کہ تحت کہ ابھی تو صرف میل آئی ہے اور فارم بھی فل نہیں ہوا، واپس بیٹھ گئی۔

کچھ دن بعد جب اس نے دوبارہ جی- میل اوپن کر کے میل کا جواب دیکھنا چاہا تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہاں تو کوئی میل ہی نہیں تھی۔جیسے نہ کسی نے بھیجی ہو، نہ کسی نے موصول کی ہو۔

پھر آج کی تاریخ پر آؤ تو دیکھو نور العرش اپنے لاؤنج کے صوفے پر ٹھٹکی ہوئی بیٹھی ہے۔ جیسے کسی نے اسے جما دیا ہو۔ برف کر دیا ہو۔

پھر اس نے جلدی سے لیپ ٹاپ کا ڈھکن گرا دیا۔ یعنی وہ کسی بھی آرگانائزیشن کی طرف سے میل نہیں تھی بلکہ ایک چال تھی، جس سے اس کا لیپ ٹاپ ٹریک کیا جا رہا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ دور رکھا۔ اسے جیسے ڈر سا لگنے لگا تھا۔ وہ تو سائبر کرائم بھی رپورٹ نہیں کر سکتی تھی، اسکے پاس تو میل بھیجے جانے کا کوئی پروف بھی نہیں تھا۔ میل کچھ ہی دن میں غائب ہو چکی تھی۔

(اللہ اللہ! اب وہ کیا کرے؟)

☆☆☆

دولۃ القطر کا شہر دوحہ اونچی عمارتوں سے بھرا پڑا ہے۔ جا بجا آپکو اونچی اونچی عمارتیں نظر آئینگی۔ تبھی، ساحلِ سمندر کے نزدیق آپکو ایک عمارت بنتی نظر آئیگی۔ عمارت کی بنیادیں بنائی گئی تھیں، اور کافی حد تک ڈھانچہ بھی کھڑا نظر آتا تھا۔ عمارت کے باہر ایک گیٹ سا بنا تھا اور آگے ایک بورڈ سا لگا تھا، جس پر عمارت کی بننے کے بعد کی تصویر لگی نظر آتی تھی۔ بورڈ پر تصویر کے نیچے چند اور باتیں بھی لکھی ہوئی تھیں، یقیناً عمارت سے متعلق، عمارت کی ڈیٹیلز وغیرہ۔

وہ ایک معمولی دفتری عمارت تھی اور اس کی اونچائی کچھ زیادہ نہیں تھی۔ عمارت کے باہر بے شمار مشینری کھڑی نظر آتی تھی اور اس تپتی دوپہر میں بھی مزدوروں کا ایک انبار کام کر رہا تھا۔ عمارت کے باہر ایک چھوٹا سا کمرہ سا بنا تھا، جس کے اندر جھانکو تو چند لوگ کرسیوں پر گردار کی صورت میں براجمان نظر آتے تھے اور درمیان میں میز پر چند صفحات پھیلے نظر آتے تھے۔ سب میز پر سر جھکائے کاغظوں کے متعلق کسی بحس میں مصروف تھے۔

حبیب بھی انہی میں سے ایک کرسی پر بیٹھا نظر آتا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے آئے ہوئے تھے۔ سر پر پیلے رنگ کی تعمیراتی ٹوپی پہنی تھی۔ زرا تشویش سے پیچھے ہوا اور کرسی سے کمر ٹکالی۔ سامنے بیٹھا ایک عربی شخص انگریزی میں کچھ بول رہا تھا اور باقی سب بھی اسے سن رہے تھے۔

"پہلے بھی انہی چند وجوہات کے باعث، اس پراجکٹ میں دو سال تاخیر کی گئی تھی۔ اور ہمارے پچھلے پراجکٹ ڈائرکٹر بھی اسی لئے چلے گئے، کہ یہ سب معجزہ ان کی سمجھ سے باہر تھا۔" ایک آدمی حبیب سے کہہ رہا تھا۔ پھر زرار کا اور دوبارہ بات جاری کی۔ "اور یہاں ساحلِ سمندر کے قریب جب بھی کوئی پراجکٹ شروع ہوتا ہے، ایسی چیزیں پھر شروع ہو جاتی ہیں۔"

"اب اللہ کے لئے، وہ 'بودریا' والی کہانی پھر نہ سنانا۔ سب جانتے ہیں، وہ ایک فرضی کہانی ہے، عبدالمنان۔" حبیب نے زرا خفگی سے پہلو بدلا۔

""ہاں بیشک، مگر میرا اب بھی اس 'فرضی کہانی' پر پورا یقین ہے۔" منان 'فرضی کہانی' پر زرا زور دے کر بولا۔ "اور اگر یہ بات جھوٹ بھی ہے تو پھر آج تک خلیجِ فارس کے اِس سرے پر کوئی عمارت کیوں تعمیر نہیں ہو سکی؟"

حبیب زرا سوچ میں پڑ گیا۔ منان کی بات میں دم تھا۔

"اوکے، یہ آج ہمارا چوتھا ویک تھا اور روز رات کو ہمارا کچھ نا کچھ غائب ہو جاتا ہے، کبھی نقشے، کبھی سامان، کبھی ہمارا کوئی مزدور اور سی سی ٹی وی کیمرا ز بھی کچھ پکڑ نہیں سک رہے۔ تو آج ہم سب خود یہاں ڈیوٹی دیں گے۔ ہم خود دیکھیں گے، کہ ایسا رات کو کیا ہوتا ہے کہ روز سیکیورٹی ٹیم کا کوئی نہ کوئی بندہ اور سامان غائب ہو جاتا ہے۔" اعلانیہ انداز میں بلا۔ "یو آل انڈر سٹوڈ؟"

(You all understood?)

"یس سر!" سب نے یک زبان بولا۔

"ناؤ، گیٹ آن یور پوزیشنز!" تیز سا بولا اور کرسی سے اٹھ کر، جیب سے رومال نکالا اور ماتھے سے پسینہ صاف کیا۔ گرمی اپنے جوبن پر تھی۔ باقی سب بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

(Now get on your positions!)

"ہم اس بارے میں حکومت اور کانٹریکٹر سے مدد کیوں نہیں لیتے؟" منان اب وہیں پیچھے کھڑا تھا۔ حبیب نکلنے لگا تو وہ جلدی سے بولا۔ باقی سب نکل چکے تھے۔

"پہلے ہم اپنی کوشش کریں گے۔" کہہ کر آگے کو مڑ گیا۔ پیچھے کھڑا منان پر سوچ انداز میں کچھ دیر کھڑا رہا پھر اٹھ کر باہر نکل گیا۔

باہر مزدور اور مشینری اب بھی پورے زور سے کام کر رہی تھی۔ حبیب کھڑا چاروں اطراف میں نظریں گھما رہا تھا۔ ہاتھ میں چند کاغذات تھامے تھے۔ بار بار ان کاغذات پر نظر دوڑا لیتا۔ آسمان پر سورج چمک رہا تھا۔

☆☆☆

دوحہ کے ساحلِ سمندر پر رات خوب چمک رہی تھی۔ سمندروں کی لہروں میں مسلسل جنبش سی تھی، جو عموماً ہوتی ہے۔ لہریں ہلکی ہلکی آگے پیچھے کو ہو رہی تھیں۔

تبھی قریب زیرِ تعمیر عمارت کا ڈھانچا بنا ہوا کھڑا تھا۔ مگر وہاں ابھی کوئی بھی کام کرتا نظر نہیں آرہا تھا۔ سب مزدور نچلے فلور پر حبیب کے ساتھ دائرے کی شکل میں کھڑے تھے۔ اور حبیب ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ منان بھی ان میں کھڑا تھا اور بے حد غور سے تدبیر سن رہا تھا۔

"ہم سب نے یہاں، یہاں اور یہاں (نقشے پر ہاتھ کے اشارے سے بتاتے ہوئے) کھڑے ہونا ہے۔ آج ہم اس چور کو پکڑ ہی لیں گے، انشاءاللہ!" حبب بولا۔

اس نے دل ہی دل میں اس چور کو پکڑنے کا عہد کر لیا، جو ان کا سامان غائب کر رہا تھا۔ اور اسکی وجہ سے ان کا تعمیری بجٹ بلکل آؤٹ ہو سکتا ہے۔ سب کے چہروں پر امید کی روشنی جگمگا رہی تھی۔

"انشاءاللہ!!" سب یک آواز ہو کر بولے۔

اب بلڈنگ کے چاروں طرف مزدوروں کا گروہ کھڑا تھا۔ وہ سب بلڈنگ کے لئے جیسے کسی 'پروٹیکٹو شیلڈ' کا کام کر رہے تھے۔ کوئی بھی ایسا کونا نہیں تھا، جہاں کوئی مزدور پہرا، نہ دے رہا ہو۔ ہر جگہ پر کوئی نہ کوئی ضرور کھڑا تھا۔ اور سب پر امید تھے کہ آج وہ چور ضرور پکڑا جائگا اور وہ اسے جیل بھجوائیں گے۔ مگر کون جانے آگے کیا ہوتا ہے؟

"سر! میں نے ایک ایک کونا، بند کروالیا ہے اور اب کوئی بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ ہو۔" منان حبیب کو رپورٹ دے رہا تھا۔

"گڈ! آج ہم ضرور پکڑ لیں گے اسے۔" حبیب مسکرایا۔

"سر، اگر۔۔" حبیب چونکا۔

"اگر؟"

"اگر آج ہم اسے نہ پکڑ پائے پھر؟" منان زرا محتاط سا بولا۔

"اپنی طرف سے ہم پوری کوشش کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ باقی اللہ کی مرضی!" وہ اب سامنے دیکھ کر بولا۔

حبیب بلڈنگ کے دوسرے فلور پر کھڑا تھا، اور اوپر سے باقی سب کو دیکھ رہا تھا۔

"ویسے سر، میں ایک لڑکی۔۔ پتا نہیں وہ لڑکی ہے یا لڑکا۔۔ لیکن میں کسی کو جانتا ہوں، جو ہماری مدد کر سکتا ہے۔"

"ہم پُرامید ہیں کہ سب صحیح ہو جائگا۔" حبیب بولا۔

"نہیں سر، وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر ہم نہ پکڑ پائے، تو میرے پاس ایک شخص کا نمبر ہے۔ وہ۔ وہ جیسے کوئی جادوگر ہے۔" حبیب کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔ "وہ۔۔ وہ برقعے میں گھر سے نکلتا ہے، یا نکلتی ہے، لیکن اسکی فائٹنگ اِسکلز سے لگتا ہے وہ کوئی لڑکا ہے۔ وہ کسی ہیرو کی طرح لڑتا ہے۔ مگر اس کی چال اسے لڑکی بتاتی ہے۔ اس کا نام ہے۔۔"

"Telekinetic Poison"

حبیب حیران ہوا۔ عجیب نام تھا؟

"اس جیسا شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا یا ڈرتی۔ اور حکومت کے لئے بھی کبھی کبھی کام کرتی ہے۔ کوئی اسکا ایڈریس نہیں جانتا، اور نہ آج تک حکومت اسکو ٹریس کر سکی ہے۔ وہ۔۔ وہ پرائوٹلی کام کرتی ہے، یا کرتا ہے۔ میں اسکا نمبر آپکو دوں؟"

"عبدالمنان! کن چکروں میں پڑ گئے ہو؟ تم آج اپنی پوری کوشش کرو، ہمیں کسی اور کی انشاءاللہ ضرورت نہیں پڑے گی۔" منان کا منہ سا بن گیا۔ "اب تم جاؤ اور نیچے کو سب کو دیکھو۔"

"اوکے! آپ کی مرضی۔" کہہ کر وہ چلا گیا۔

اسکے جانے کے بعد وہ کس سوچ میں پڑ گیا۔

"جانے ممی، پاپا کیسے ہونگے؟ اور مریم اور عثمان؟ اور دادی جان اور۔۔ نورالعرش؟" نور کا سوچ کر وہ مسکرایا۔

اسے وہ شدّت سے یاد آنے لگی۔وہ شامیں،وہ دن،وہ امر راتیں۔۔اسے یاد آیا،وہ آنے سے پہلے اس سے ملا تک نہیں تھا،کیونکہ وہ اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں آئی تھی۔اور سو رہی تھی۔جانے وہ اب کب ملیں؟کتنے سالوں بعد؟

"پتا نہیں مریم کے جانے کے بعد اسنے کیا کیا ہو گا؟"اسکو احساس ہوا،وہ کسی غیر محسوس انداز میں اسکے بارے میں سوچنے لگا ہے۔

تبھی زرا شور کے باعث،وہ اپنے خیالوں سے نکلا۔

"سر!سر!"کوئی دوسرا مزدور اسکی طرف چلاتا ہوا،بھاگ کر آرہا تھا۔

"ہاں بولو؟پکڑ لیا؟"وہ پرامید سا اسے دیکھا۔مگر اس مزدور کے آثار بتا رہے تھے کہ کچھ خطرے کی بات ہے۔

"سر۔۔وہ۔۔"پھولے سانس کے ساتھ وہ مزدور ہانپ رہا تھا۔

"وہ کیا؟"وہ چلایا۔

"وہ۔۔عبدالمنان کو لے گئے۔"اور حبیب پر تو پہاڑ ہی آ گرا۔وہ بھاگتا ہوا نیچے کو دوڑا۔

نیچے جا کر وہ ششدر رہ گیا۔

"سر۔۔وہ اچانک ایک جگہ سے زرا سا شور بلند ہوا تو۔۔تو ہم سب بھاگ کر یہاں کو آئے۔مگر یہاں کچھ لوگ بے حوش پڑے تھے اور۔۔اور عبدالمنان غائب تھا۔وہ اسے بھی لے گئے۔۔"وہ مزدور اسے تفصیل بتا رہا تھا اور وہ، کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

(یہ سب کوئی عام بات نہیں ہے۔ہمیں واقعی کسی خاص ایجنٹ کی ضرورت ہے۔مگر اسکا نمبر۔۔عبدالمنان۔۔اللہ!!)

حبیب شل سا کھڑا تھا۔

☆☆☆

جہاں زمین کے اوپر ایک ہنگامہ سا برپا تھا کہ آخر منان کہاں غائب ہو گیا،اور حبیب دم سادھے شل سا کھڑا تھا۔وہیں 'زمین کے نیچے کی دنیا' میں بھی رش سا لگا ہوا تھا۔سب زمین تلے بنے اس گھر کا رخ کر رہے تھے،جہاں ان میں سے ایک منان کو اٹھالایا تھا۔سب کے چہروں پر عجیب مسکراہٹ تھی،وہیں کچھ کچھ لوگ زرا اداس سے نظر آتے تھے۔وہ جانتے تھے اب اس آدمی کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

تبھی ایک کمرے میں بہت سارا شور سا تھا اور وہاں لوگ کم تھے۔زیادہ لوگ اور شور باہر تھا کمرے کے۔اندر صرف 'بڑے' تھے۔تبھی کمرے کے اندر دروازے کے عین سامنے زمین پر ایک آدمی بے ہوش و حواس پڑا تھا۔

"یہ کب تک جاگے گا؟"عبدل الرزاق کی آواز پر جیسے سب خاموش ہو گئے۔وہ اور نورا بس کھڑے تھے، باقی سب زرا پیچھے کو بیٹھے تھے۔اب خاموشی قائم تھی۔

"بس ہلکا سا بے ہوش کیا ہے۔ابھی چند ہی منٹوں میں جاگ جائگا!" تبھی منان کے جسم میں زرا جنبش ہوئی۔اس نے زرا آنکھیں کھولیں۔آنکھوں میں روشنی کا طوفان آیا، آنکھیں چند ھیائیں اور پھر بند کر دیں۔پھر دوبارہ کھولیں اور دو تین دفعہ جھپکیں تو منظر واضع ہوا۔

اسکے سامنے ایک پختہ عمر کا آدمی اور ایک بڑھیا کھڑی تھی۔پھر ان کے پیچھے دیکھا تو کچھ لوگ بیٹھے تھے اور اسے ہی دیکھ رہے تھے۔پھر ایک آدمی آگے آیا اور اسے زور سے اٹھا کر اسکے پیچھے پڑی کرسی پر بٹھا دیا۔وہ ہکا بکا سا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کہاں ہوں میں؟"اب کہ وہ چلایا۔

وہ ڈر سا گیا تھا، عجیب سے لوگ تھے، عجیب سے حلیے تھے، عجیب سی شکلیں تھیں۔کوئی عربی، کوئی انگریز، کوئی یونانی، کوئی ایرانی۔سب کی آنکھوں کا رنگ بھی دوسرے سے مختلف تھا اور عمر میں میں اونچ نیچ لگتی تھی۔

"اپنی قبر میں!"عبدالرزاق مسکرا کر بولا۔

"کہاں ہوں میں ؟اور تم لوگ کون ہو؟" وہ پھر سے چلایا۔وہ ظاہری اور باطنی طور پر خوفزدہ تھا۔

"ہم موت کے فرشتے ہیں اور تمہاری سانسیں لینے آئے ہیں۔" نور ازرا آگے کو ہوئی اور مسکرا کر بولی۔ منان اب خاموش ہی رہا۔اسے لگا یہ کوئی کڈنیپرز ہیں۔" کیوں بنانا چاہتے ہو تم لوگ یہاں عمارت؟"

"یہ ہماری زمین ہے!" نور انے جھٹ سے قہقہہ لگایا۔عبدالرزاق خاموش ہی رہا۔" مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

وہ اب عبدالرزاق کو دیکھ کر بولا۔

"کیونکہ جن لوگوں کی جانیں قیمتی نہیں ہوتیں،وہ اس دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔" ساتھ ہی جیب سے ایک خنجر سا نکالا۔

"میرے۔۔میرے دو بچے ہیں۔اللہ کے لئے مجھ پر یہ ظلم مت کرو!" وہ جان گیا تھا یہ آخری سانسوں کا وقت ہے۔ مگر وہ ایک اور کوشش بھی کر رہا تھا۔وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔

تبھی پیچھے سے ایک لڑکا اٹھ کر آگے کو آیا اور عبدالرزاق کے خنجر پر نظریں جما لیں۔

"تم جاننا چاہتے تھے نا کہ ہم وہ عمارت کیوں بننے دینا چاہتے؟ تو جان لو، اس لئے!" عبدالرزاق بولا۔

خنجر تیزی سے اس کے ہاتھ اڑ کر منان گردن پر آلگا اور جیسے جیسے اس لڑکے کی نظریں گھوم رہی تھیں، خنجر اسکی نظروں کا تعاقب کرتا ویسا ہی کر رہا تھا۔ تیز تیز وار۔

کچھ ہی دیر میں منان کی گردن سے خون کا ایک فوارہ پھوٹنے لگا اور وہ لڑھک کر زمین پر جا گرا۔

عبدالرزاق اور نورا مسکرائے۔ ان کے ساتھ دشمنی کرنے والے ہر شخص کی یہی سزا ہوتی تھی۔ وہ مغرور تھے، متکبر تھے،، مگر اس وقت وہی قادر تھے۔ وہ ظالم تھے۔ وہ جابر تھے۔

وہ طاقتور تھے۔ وہ خاص تھے۔

☆☆☆

اسلام آباد اور دوحہ، دونوں اب رات کے اندھیروں میں نہا رہے تھے۔ خاموشیوں اور دونوں کے پاس کچھ قیمتی جو سنسانیوں کے ساگر تلے، دونوں مسکرا رہے تھے۔ تھا۔ دونوں وقت کی گھڑیوں کے مسافر تھے۔

نورالعرش اپنے کمرے میں بیٹھی کسی سوچ میں گم تھی۔زندگی عجیب سے بدلاؤ کے سانچے میں ڈھل سی گئی تھی۔ایک لمحہ کیسی اور دوسرا لمحہ کیسی۔اسکو پھر یاد آیا کہ ابھی تک حبیب نے اسے اس کے خط کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔وہ جانے کب سے اپنے خط کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ناجانے اس نے پڑھا بھی تھا یا نہیں؟وہ بس یہی سوچ رہی تھی۔

کچھ حد تک اب اسکا انتظار پچھتاوے میں بدل رہا تھا۔کیا واقعی ہی اسے وہ خط لکھنا چاہیے تھا؟کیا پتا حبیب کا کوئی اس طرح کا ارادہ نہ ہو اور نور کے ایسے خط سے وہ ناراض ہو گیا ہو۔

دادی جان کی ان ڈیڑھ ماہ میں ااس سے تین دفعہ بات ہوئی تھی۔اور تینوں دفعہ اسنے نور کا پوچھا تھا۔اگر اسکے دل میں اس خط کے لحاظ سے کوئی بات ہوتی تو وہ ضرور اسے میسج کر دیتا۔مگر ایسا کچھ نہیں تھا۔کیا پتا اسنے پڑھا ہی نہ ہو؟اور جب اسنے حبیب کو شادی کی چند تصاویر بھیجی تھیں،تو اس نے دیکھی تھیں اور نیچے 'دل' والا ایموجی بھیج دیا تھا۔یعنی وہ کسی بات پر ناراض تو بلکل نہیں تھا،یہ پکا تھا۔

پھر سائڈ ٹیبل پر پڑا موبائل اٹھالیا اور مریم کی شادی کی تصاویر نکال لیں،جو اس نے اس دن لیپ ٹاپ سے موبائل میں بھیجی تھیں۔لیپ ٹاپ اس دن کے بعد اس نے نہیں

اٹھایا تھا،اندر ایک عجیب سا ڈر پیدا ہو گیا تھا۔حبیب کی تصاویر نکال کر دیکھنے لگی۔وہ ساری شادی میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

نورالعرش پھر سے کچھ سوچنے لگ گئی۔پھر تصاویر کا فولڈر بند کر کے وٹس ایپ کھولا۔پھر حبیب کے نام کا فولڈر کھولا۔اس میں چند تصویریں سامنے آئیں،جو اس نے کچھ دن پہلے اسے بھیجی تھیں۔پھر کچھ سوچ کر کال کے بٹن پر کلک کیا۔

کال جا رہی تھی۔ٹوں۔۔ٹوں۔۔

حبیب سکندر اپنے اپارٹمینٹ کے کمرے میں موجود بیڈ پر چت لیٹا تھا۔کمرے کا لیمپ آن تھا۔کھڑکیاں بند تھیں۔باہر اترا اندھیرا نظر آتا تھا۔وہ کچھ تھکا تھکا لگتا تھا اور زرا اداس بھی۔آج اسے زرینہ نے کال بھی نہیں کی تھی۔گھر سے میلوں دور کسی انجان جگہ پر رہنا آسان نہیں ہوتا۔اور ساتھ ہی منان کی طرف سے بھی وہ بے حد پریشان تھا۔

کچھ دیر تک موبائل پر سکرولنگ کرتا رہا پھر کچھ اکتا کر موبائل بند کر دیا اور پاس پڑی سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور لیمپ آف کر دیا۔دایاں بازو سر تلے رکھ کر وہ اندھیرے میں کچھ ڈھونڈنے لگا۔کچھ سوچنے لگا۔تبھی اسکی سوچوں سے کسی آواز نے نکالا۔اسنے آنکھیں کھولیں،اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔مگر وہ آواز۔۔اسکے سائڈ ٹیبل پر

پڑے فون کی تھی۔اسنے لیمپ آن کیا۔اور موبائل اٹھا کر دیکھا۔وہ نور کی کال تھی، اس نے تیسری 'ٹوں' پر اٹھالیا۔

"ہیلو!" نور کی آواز دوسری طرف سے آئی۔

"وعلیکم اسلام!" حبیب کی اب آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔نور زرا ہنسی۔

"کیسے ہو؟" نور چہکتی ہوئی بولی۔

"بہت زیادہ تھکا ہوا۔" شاید وہ نور سے اس وقت بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ واقعی ہی تھکا ہوا تھا۔

"تم مجھے اگنور کر رہے ہو؟"

"خاتون، آپکو کون اگنور کر سکتا ہے؟" نور زرا ہنسی۔"کوئی خاص کام تھا؟"

"نن۔نہیں!" نور زرا احتیاط سے بولی۔

"اگر میں غلط نہیں ہوں، تو اس وقت یہاں قطر میں 12 اور پاکستان میں 2 بج رہے ہیں۔" پھر زرا رکا اور بات جاری کی۔"اور اگر میں ایک دفعہ پھر صحیح ہوں تو، تم نے اس وقت مجھے کسی بہت فارغ بات کے لئے کال کی ہے۔"

نور کے چہرے سے اب مسکراہٹ سمٹی۔کیا نور کی باتیں اسکے لئے فارغ کام ہوتے ہیں؟

"مجھے کچھ ضروری بات کرنی تھی!"

"ہوں،اب تمہارے لہجے سے لگ رہا ہے کہ واقعی ہی کام کی بات ہے۔اوکے بولو!"

"حبیب!"وہ محتاط سی بولی۔

اور حبیب نے بس"ہوں"بولا۔

"تم۔تم نے وہ پڑھا؟"زرارام سے بولی۔

"کیا؟"اور نور کے سر پر تو بجلی ہی آ گری۔کیا اسے اب بھی کچھ سمجھانے کی ضرورت تھی؟

"اتنے بھولے مت بنو!تمہے نہیں پتا میں کس چیز کی بات کر رہی ہوں؟"حبیب نے دل ہی دل میں'اف!!'کیا۔

"اف نور،صاف بات کرو نا!ہاں میں نے پڑھا ہے۔تو تم نے اس کے لئے کال کی ہے اس وقت؟"ماتھے پر شکنیں سی ابھریں۔

"کیا مطلب اس چیز کے لئے؟"نور زرا غصّہ ہوئی۔

"نور مجھے تمہاری پکچرز بھی مل گئی تھیں وٹس ایپ پر اور نیچے کا کمنٹ بھی۔لیکن میں پورا دن کام کر رہا تھا اور بہت زیادہ تھک گیا ہوں،کیا پلیز!۔۔پلیز!تم مجھے صبح کال کر

سکتی ہو؟میں اب سونا چاہتا ہوں۔"اور دوسری طرف سے کال کٹ گئی۔حبیب نے ماتھے سے شکنے صاف کر کے موبائل رکھ دیا اور لیمپ آف کر دیا۔

اور کیا کبھی تم نے دل ٹوٹتے دیکھا ہے؟

دوسری طرف نور ششدر سی بیٹھی تھی۔کیا وہ خطا ابھی تک اس نے پڑھا ہی نہیں تھا یا بس وہ انجان بن رہا تھا؟اس کے لئے نور العرش کی فیلنگز،اسکے اموشنز،اسکے دل کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟کیا نور العرش اتنی فالتو چیز ہے؟کیا وہ بھی ایک کاغظ کی مانند ہے،جس پر جو چاہے لکھ دیا جائے پھر کاٹیاں مار کر اسے پھینک دیا جائے۔کیا زندگی نے اسے بس اتنا ہی درجہ دیا ہے۔

کانچ کی طرح چبا تھا اسے کچھ اندر۔آنکھوں سے کھولتے پانیوں کا ایک دریا سا بہا تھا۔

☆☆☆

رات کے اس اندھیرے میں بس نور ہی نہیں تھی جو جاگ رہی تھی۔اس شہر میں بسنے والے کچھ اور بھی لوگ تھے جو اس وقت جاگ رہے تھے۔پہاڑیوں کے اوپر نظریں دورائی جائیں تو وہاں کچھ سایہ سا نظر آتا تھا،دو آدمیوں کا۔وہ خاموش سے کھڑے،پر سکون اسلام آباد کو دیکھ رہے تھے،جو رات کے اس پہر کتنا ہی خوبصورت نظر آتا تھا۔

"عبدالعزیز! کتنا سکون ہے نا؟" عبدالعزیز سے قدرے کم عمر کا آدمی اسکے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ بھی نظر آتے اسلام آباد کو دیکھ رہا تھا۔

"ہوں! سکون تو بہت ہے مگر نا جانے دل میں کیا کٹ سا رہا ہے؟" عبدالعزیز زرا آرام سے بولا۔ ہاتھ پیچھے باندھ رکھے تھے۔ "لگتا ہے کچھ ہونے والا ہے۔"

"آپ کو بہت صحیح لگا ہے۔" وہ آدمی مسکرایا۔ عبدالعزیز اسے دیکھا۔

"عبدالمحیط، کیا خبر ہے؟"

"حالات بدلنے والے ہیں۔" پھر کچھ دیر خاموش رہا اور آگے بات جاری کی۔ "ہمارے بدترین خدشات پر مہر لگ چکی ہے۔"

"کیا ہوا؟" سفید ہلکی بھنویں زرا بھینچ کر پوچھا۔

"وہ لوگ لڑکی کو اٹھا کر لے جائیں گے۔" عبدالمحیط زرا پریشانی سے بولا۔

"کیا لڑکی اب تک بے خبر ہی ہے؟" اسکی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔

"وہ اب تک انجان ہے۔ وہ نہیں جانتی کیا ہو رہا ہے اور آگے کیا ہونے والا ہے۔ اور وہ اس سب کو ہلکا لے رہی ہے۔" عبدالمحیط افسوس سے بولا۔

"ہوں، وہ بے وقوف ہے اور بے فکر بھی۔" وہ اب سامنے دیکھ کر بولے۔ ساتھ ہی گہرہ سانس بھی لیا۔

"آپ خود کیوں اسے سب نہیں سمجھاتے؟" وہ ان کے سامنے آکر بولا۔

"میں ایک کوشش کر چکا ہوں، مگر وہ سمجھی نہیں، الٹا مجھے ہی دشمن سمجھنے لگی۔" وہ اب بھی اسے نہیں دیکھے۔ بس سامنے دیکھ رہے تھے۔

"وہ لڑکی برباد ہو جائگی۔ کیا ہم اسکے لئے کچھ اور نہیں کر سکتے؟ کیا ہم بس عبد لرّزاق کو اسے لے جانے دیں؟"

"عبدالرّزاق حیدر عثمانی، میرا بہت قابل شاگرد رہا تھا۔ مگر ہم میں فرق تھا۔ استاد اور شاگرد کبھی ایک دماغ کے نہیں ہو سکتے۔ مگر میں ایک بات اس کے بارے میں بہت اچھے سے جانتا ہوں، وہ جب ایک بات کی ٹھان لیتا ہے تو پیچھے نہیں ہٹتا کیونکہ وہ اپنے اوپر پورا بھرسہ کرتا ہے۔ اور جو لوگ خود پر بھروسہ کرتے ہیں، انکو آج تک کوئی ہرا نہیں سکا۔"

"ہم کیا کریں گے؟" وہ اب تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ہم اسے لے جانے دیں گے۔ کیونکہ ہم اسے نورالعرش کو لے جانے سے نہیں روک سکتے۔"

"اسکے پیچھے اسکی بوڑھی دادی ہے۔ وہ بیمار ہے، سدمہ برداشت نہیں کر پائگی۔"

"عبدالرزاق اسے بھی مار ڈالے گا۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔" وہ اب زرا دوسری سمت کی طرف گئے۔ اور وہاں کا منظر دیکھ رہے تھے۔

"آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ کر سکتے ہیں، آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں مگر آپ نہیں کر رہے۔ آپ جانتے ہیں، وہ آپ کے آگے مزاحمت نہیں کرے گا۔ اسنے کبھی نہیں کی۔ مگر آپ خود ایسا کر رہے ہیں۔" وہ زرا چلایا۔

"قسمت نے اور بھی بہت کچھ سوچ رکھا ہے۔ میں بس اتنا جانتا ہوں، کہ عبدالرزاق اور اسکے ساتھیوں نے یہ سب جس طرح سوچ رکھا ہے وہ سب اتنا سیدھا نہیں۔ میرے ہاتھ میں قسمتیں بدلنے کی طاقت نہیں۔ میں یہاں واقعی ہی مجبور ہو گیا ہوں۔" وہ پر سکون سا بولے۔ انکے لہجے میں ایک عجب سا اطمینان تھا۔

"وہ کچھ دنوں میں آ رہے ہیں۔ وہ اسے لے جائیں گے۔" وہ تیزے سے بولا۔ عبدالعزیز مڑے نہیں۔

"زندگیاں تو لمحوں میں بدلتی ہیں۔ تم دنوں کی بات کر رہے ہو؟" کہہ کر وہ مڑ کر چلے گئے۔ عبدل محیط بس پریشان سا سامنے دیکھنے لگا۔

اب اسے کہیں بھی سکون نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

رات کے تین بجے کا وقت تھا۔اسلام آباد پر ڈھیروں اندھیرا اترا ہوا تھا۔بند آنکھوں والے اس وقت اوندھے منہ سوئے پڑے تھے اور کچھ بس سونے کی ہی تیاری میں تھے۔مگر یقین کی آنکھ والے ابھی اٹھے تھے اور اندھیروں میں اجالے پھیلا رہے تھے۔

دادی جان اپنے کمرے میں تہجد پڑھ رہی تھیں۔

نورالعرش اپنے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ساکت۔جامد۔حبیب کی کال کے بعد وہ ہلی تک نہیں تھی۔بس بیلکونی کے پار ہی دیکھ رہی تھی مگر نظروں میں ناجانے کون سا منظر چل رہا تھا۔وہ سوچوں میں گم تھی۔اسکی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اب تھک سے گئے تھے۔آنسو دودھیا جلد پر خشک ہوئے نظر آتے تھے۔

وہ کسی سکتے سے باہر نکلی۔موبائل،ہاتھ کھول کر بیڈ پر رکھا۔پھر اٹھی۔زرا قدم لڑکھڑائے۔کافی دیر سے بس ایک ہی جگہ پر بیٹھنے کے باعث قدم شل سے ہو گئے تھے۔مگر وہ چلتی رہی اور کمرے کا دروازہ کھولا۔کھول کر دروازہ بند نہیں کیا،بس باہر نکل گئی اور آگے چلی گئی۔کمرے کی بتّی ویسی ہی جلدی رہی۔وہ سیڑھیوں سے اس بار پھلانگتے ہوئے بھی نہیں اتری۔بس خیالوں میں گم ہلکے ہلکے قدم لیتی اتری۔

نیچے جا کر دادی جان کے کمرے کا رخ کیا۔ پھر دروازے کے آگے کھڑی ہو گئی۔ آنکھوں نے پانی کی ایک بوند ٹپکائی۔ نور نے ہاتھ اوپر کیا اور گال پر سے بوند صاف کی۔ دل پر پتھر رکھ کر کمرے کا دروازہ کھولا۔

کمرے کا منظر ویسا ہی تھا جیسے ہوتا تھا۔ دادی جان کھڑکی کی طرف رخ کئے بیٹھی قرآن کی تلاوت کر رہی تھیں۔ دروازہ کھلنے پر بس لمحے بھر کو ہی چونکی مگر پڑھنا نہ روکا۔

دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا اور قدم قدم چلتی دادی جان کی وہیل چیئر تک آئی۔ آنسو پھر سے آنکھوں سے ٹپکنے لگے تھے اور اب وہ آنکھوں سے صاف بھی نہیں کر رہی تھی۔ دل میں کچھ ٹوٹا تھا۔ بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

زندگی بھی عجیب شے ہے، جس چیز کو چاہو، اسے مزید نایاب کر دیتی ہے۔

وہ دادی جان کی وہیل چیئر کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور ہلکورے بھر بھر کے بچوں کی طرح رونے لگی۔ بلکل ویسے جیسے وہ بچپن میں کیا کرتی تھی۔ جب بھی ماں باپ کی یاد آتے، یا جب وہ خواب میں آتے تو وہ نیند سے اٹھ کر یوں ہی دادی جان کے کمرے میں آ جاتی اور وہیل چیئر کے پیچھے کھڑے ہو کر روتی۔ پھر دادی جان اسے سہلا کر تسلی دیتیں۔ چند محبت بھرے الفاظ کہہ دیتیں، اور نور کو اور کیا چاہیے تھا؟ مگر آج معاملہ مختلف تھا۔

دادی جان نے مزید چند آیات پڑھیں، پھر قرآن بند کیا۔ چوما اور ساتھ پڑی ٹیبل پر رکھ دیا۔ پھر مڑیں، تو ان کے چہرے پر ڈھیروں آنسو آویزاں تھے۔ نورالعرش بس وہیں روتے روتے بیٹھے گئی، ان کے پیروں میں۔ سر ان کے گھٹنوں پر رکھ دیا اور رونے لگی زور زور سے۔ دادی جان نے آج اسے چپ نہیں کروایا، بس سر سہلاتی رہیں۔ کبھی کبھی رونا ہی انسان کی دوا ہوتا ہے۔ آنسو بھی تو بہنے کے لئے ہی بنائے گئے ہیں نہ!

"دا۔ دادی۔ جان! (وہ سسکیاں لے لے کر کہنے لگی) وہ مجھ سے اتنا دور کیوں ہے؟" درد سموئے آنسو جا بجا بہہ رہے تھے۔ دادی جان بس سہلاتی رہی اور سنتی رہیں۔ "وہ مجھ سے بب۔ بہت دور کیوں ہے؟ ہم۔ ہمیشہ ہمار۔ رے درمیان فاصلے کیوں در آتے ہیں؟ کک۔ کیوں وقت ہمیں ساتھ نہیں رہنے دیتا؟"

ڈھیروں سوال اور شکوے زبان سے ادا کئے تھے۔ وہ رو رہی تھی۔ دادی جان کی بھی آنکھ سے آنسو امڈ آیا۔ وہ سمجھ گئی تھیں وہ کس کی بات کر رہی تھی۔ وہی تو تھیں، جو ہمیشہ اسکو سمجھ جاتی تھیں۔

"وہ کیوں ہمیشہ ات۔ اتنا ان۔ انجان رہتا ہے۔ وہ کیوں نہیں سمجھ پا رہا۔ وہ۔ وہ کبھی بھی نہیں سمجھتا۔ مجھے تو کوئی بھی نہیں سمجھ پاتا دا۔ دادی جان میں کیوں ہوں ایسی؟" دل میں دبے شکوے شکایات امڈ رہے تھے۔ "میں کیوں اتنی منحوس ہوں۔ کیوں؟ کیوں؟"

وہ چلائی۔اتنا زور سے، جتنا وہ اس حالت میں چلا سکتی تھی۔

"میری زندگی ایسی کیوں ہے؟ کوئی بھی مجھے میرا نہیں لگتا۔میرا ہے ہی کیا اس دنیا میں؟"

دادی جان سے اور نہ سنا گیا۔

"بس، بس نورالعرش! اگر تمہاری آنکھ سے ایک بھی اور آنسو نکلا تو میں مر جاؤں گی!" دادی جان تڑپ کر بولیں۔"میں ہوں۔میں ہوں نا تمہاری۔میں ہمیشہ سے تمہاری ہی تو تھی، میری بچّی"

"وہ تو نہیں ہے نا؟ مجھے وہ ہی چاہیے! وہ ہمیشہ مجھ سے دور ہو جاتا ہے۔اور۔اور کبھی بھی مجھے نہیں سمجھ پاتا۔وہ میرے اتنے قریب ہونے کے باوجود بھی کیوں انجان ہے کہ۔۔" پھر آگے کچھ بھی نہ بول سکی۔الفاظ ہی نہ نکل پائے۔

"میں جانتی ہوں، میری جان! میں سب جانتی ہوں۔میں جانتی ہوں تم کس کی بات کر رہی ہو۔" اسکے سر سے لرزتا ہوا ہاتھ اٹھایا اور چہرے سے آنسو صاف کئے۔دادی جان کی بات پر نور نے چہرہ اٹھایا، حیرانی سے۔اسکی آنکھیں سرخ تھیں، ان میں درد تھا اور آنسو تھے۔جیسے بہت آنسو بہا چکی ہوں، مگر ابھی بھی بہت باقی ہوں۔لمحے بھر کو وہ رونا بھول گئی تھی۔

"آپ جانتی ہیں، میں کس کی بات کر رہی ہوں؟" وہ حیران سی بولی۔ آنکھوں میں سرخ رگیں واضع نظر آتی تھیں۔

"میں جانتی ہوں، تم حبیب سے محبت کرتی ہو۔ میں جانتی ہوں، میری بچی، میری نورالعرش!" وہ اسکی آنکھوں میں جھانک رہی تھیں۔ آس پاس کا ماحول خاموش تھا۔ گھر مکمل خالی تھا۔ تمام ملازم صبح کو آتے تھے۔ نور نے سر واپس دادی جان کے گھٹنوں پر رکھ دیا۔ اب رونا نہیں شروع کیا۔ مگر آنسوؤں میں تیزی سی آگئی تھی۔

"یہ۔ یہی تو مسلہ ہے۔ آ۔ آپ بھی جانتی ہیں، سب جان جائنگے۔ مگر۔ مگر وہی نہیں جانتا۔ وہ ہمیشہ انجان رہتا ہے۔ میں حبیب سے محبت کرتی ہوں، مگر وہ تو۔ کک۔ کچھ بھی نہیں جانتا۔ وہ میری محبت کو نہیں سمجھتا، دادی جان!" سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

"نورالعرش، یاد رکھو! محبتوں کو فاصلوں سے فرق نہیں پڑتا کبھی بھی۔ محبتیں فاصلوں کو چیڑ دیتی ہیں۔ اگر تم واقعی ہی اس سے محبت کرتی ہو، تو ان فاصلوں سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ وہ جان جائگا۔" پھر زرار کیں اور پھر بات جاری کی۔ نور کے آنسو بھی اب زرارک چکے تھے۔ وہ بات سن رہی تھی۔

"اگر تمہاری محبت میں صدق ہوگا، تو وہ جان جائگا۔ مگر اگر تمہاری محبت وقتی ہوگی، تو بس اس وقت کے ساتھ چلتی جاؤ۔ وقت تمہیں تمہاری منزل تک ہنچادے گا۔ چلتی جاؤ! چلتی جاؤ!"

وہ بڑبڑائیں۔آنکھوں سے آنسو بہے۔

کچھ دیر دونوں خاموش ہی رہیں۔پھر دادی جان ہی بولیں۔

"اگر تمہاری محبت سچی ہوئی تو وہ خود آئگا تمہارے پاس!"

"وہ آئگا؟"نور نے بجھا چہرہ اٹھایا۔دادی جان نے اثبات میں سر ہلایا۔

نور نے چہرہ واپس گھٹنوں میں گرادیا۔اسے کچھ تسلّی ہوئی تھی۔کچھ سکون آیا تھا۔اسے اب تھکاوٹ سی ہونے لگی تھی۔اسکی آنکھوں میں اب نیند سی آرہی تھی۔

باہر اب ہلکی ہلکی آوازیں شروع ہونے لگیں تھیں۔صبح صادق کی پہلی قرن آسمان پر چمکی تھی۔آذانِ فجّر کی صدائیں فضا میں بلند ہونا شروع ہوگئی تھیں۔دور دور سے۔آسمانی مخلوق نے اب اپنی نیند سے جاگنا شروع کردیا تھا۔پرندے اب زکرِالہیٰ کی تیاری کررہے تھے۔عجیب سا پر سکون ماحول تھا۔وقت کی گھڑیاں چل رہی تھیں۔مگر اب وقت آچکا تھا کہ 'ریت گھڑی' اپنی ریت کو پلٹادے۔کہانیاں اب بدلنے والی تھیں،کہ راستوں میں موڑ آگیا تھا۔

اور کمرے میں بیٹھی ان دونوں میں سے کسی ایک عورت کو بھی اس بات کا علم نہ تھا کہ بس چند گھنٹے۔۔بس چند گھنٹوں میں یہ دونوں ایک دوسرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہونے والی تھیں۔۔

☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ انشااللہ!)

نوٹ

شامِ اندھیر کو جو چراغاں کرے از صارم خان پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ نظرِ ثانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ کسی قسم کی غلطی نہ ہو اگر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ ہم اس کو بہتر کر سکیں۔

تعاون کا طلبگار

ادارہ(نیو ایرا میگزین)

New Era Magazine

ہمیں اپنی ویب نیوایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگرآپ ہماری ویب پراپناناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کرواناچاہیں تواردو میں ٹائپ کرکے مندرجہ ذیل ذرائع کااستعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کردی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کااستعمال کرسکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیوایرا میگزین

New Era Magazine